جون سنہ ۱۹۹۹ء

سال ۹۸-۹۷ء میں حسنِ کارکردگی کے اعتبار سے امتیاز حاصل کرنے والی مجالسِ اضلاع ـــــ کے چند تصویری مناظر

مجلس دار الصدر فیصل آباد کے عہدیداران امیر صاحب مقامی محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کے ساتھ ۔ مکرم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان۔

مجلس کراچی کے عہدیداران اپنے اعزازات کے ساتھ۔ محترم امیر صاحب مقامی کے ہمراہ۔ آپ کے دائیں مکرم امیر صاحب ضلع کراچی اور ا مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان۔

مقابلہ بین المجالس ـــــ ۹۸-۹۷ء میں نمایاں تین پوزیشن حاصل کرنے والی مجالس

نائب قائد مجلس دارالنور فیصل آباد
خلافت جوبلی عَلَمِ انعامی ۹۸-۹۷ء
حاصل کرتے ہوئے۔

سال ۹۸-۹۷ء میں
دوسری پوزیشن حاصل کرنے والی
مجلس ـــــ ربوہ
مکرم مہتمم صاحب مقامی
سندِ خوشنودی حاصل کرتے ہوئے۔

تیسری پوزیشن
ٹاؤن شپ۔ لاہور
قائد صاحب مجلس
سندِ خوشنودی
حاصل کرتے ہوئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ خالد ربوہ

احسان 1378ہش

جون 1999ء

☆☆☆☆☆☆☆

فہرست مضامین
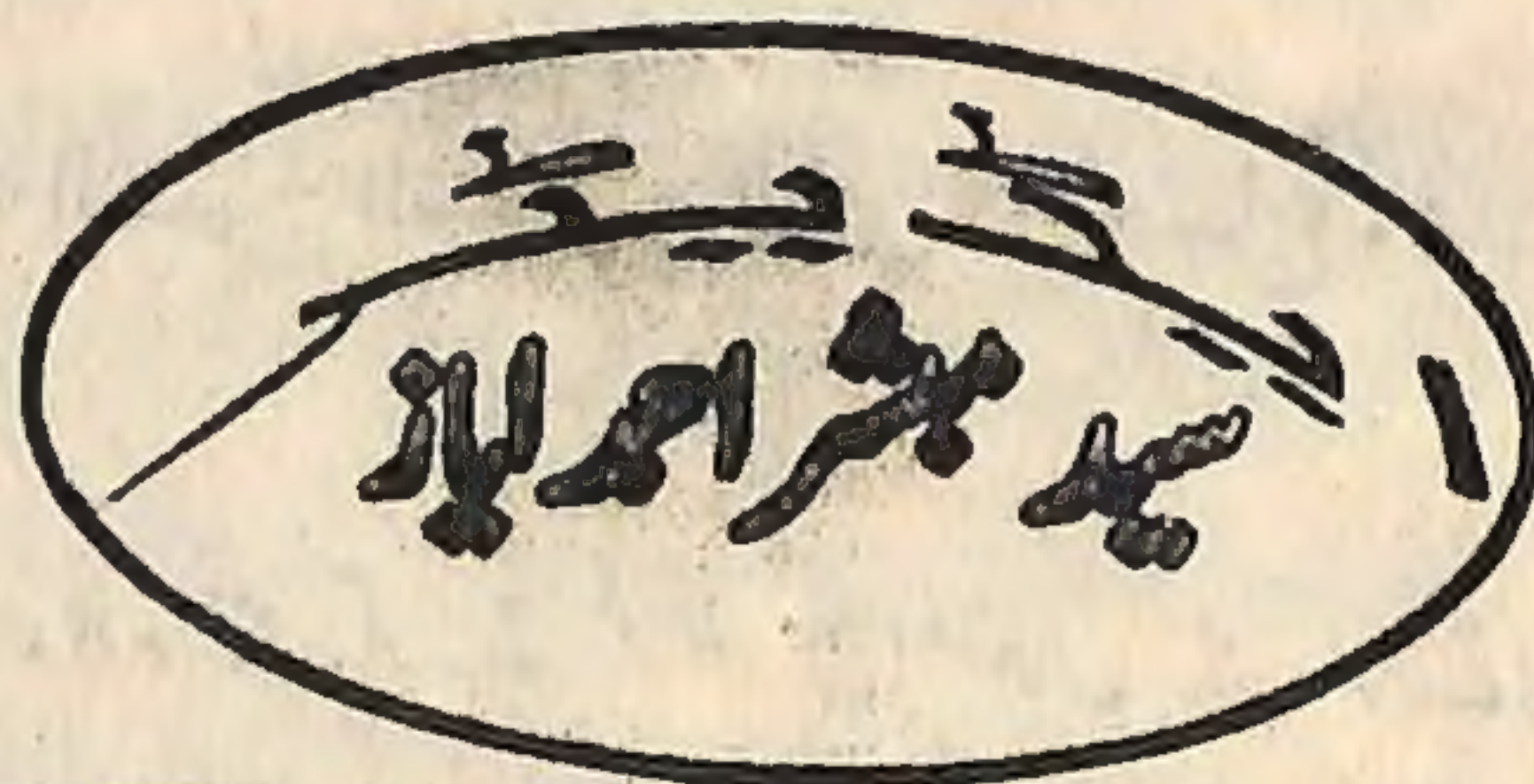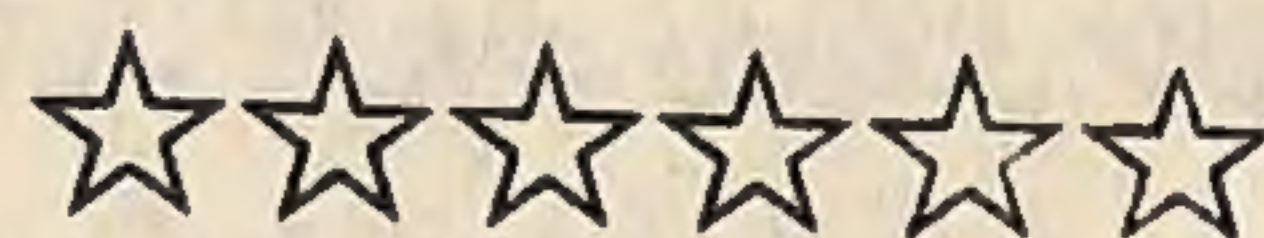
قیمت پرچہ: -/7 روپے ☆ سالانہ چندہ: -/70 روپے | جلد نمبر: 46 | شمارہ نمبر: 8

پبلشر: مبارک احمد خالد　پرنٹر: قاضی منیر احمد　مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ　رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

اداریہ

وقت اور اس کا استعمال

وقت ایک بہت قیمتی چیز ہے اور جتنی اسکی قیمت اور اہمیت ہے اتنی ہی اسکی بے قدری کی جاتی ہے - لیکن انجام کار نقصان تو وہی اٹھاتا ہے جو اسکی قدر نہیں کرتا - وقت کی قدر و قیمت میں تو کوئی کمی نہیں آیا کرتی ہاں یہ ہے کہ انسان کی قدر اور قیمت میں فرق ضرور آجاتا ہے - جس نے وقت کی قدر کی ہو اسی حساب سے اس کی وقعت اور قیمت ہوا کرتی ہے وہ فائدے میں رہتا ہے اور جو وقت کی قدر نہیں کرتا وہ سوائے نقصان اور حسرت کے اور کچھ نہیں کماتا اور ظاہر کہ حسرت اور نقصان اور خسارہ یہ تو کمائی نہ ھوئی - یہ تو مقصد کا حصول نہ ہوا اور نہ ہی یہ انسان کا مقصد حیات ہے -

اس لئے بہت ضروری ہے کہ ہمیں وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہو اور اسکے صحیح مصرف کا علم ہو - ہمیشہ وہی قومیں اور وہی لوگ زندہ رہتے ہیں جنھوں نے وقت کی قدر کی اور اس کو ضائع نہیں کیا اور آج وہ قومیں کہاں سے کہاں جا پہنچیں، ستاروں کے آگے جا نکلیں، وہ چاند پر بسیرا کرنے کا سوچ رہی ہیں اور جنھوں نے وقت ضائع کیا انہیں اس زمین پر بھی سر ڈھانپنے کی جگہ نہیں مل رہی -

ہماری یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ ہم اس "دین حق" کے پیروکار ہیں کہ جسمیں وقت کی اہمیت کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے - بار بار ادھر توجہ پھرائی جاتی ہے کہ دیکھو وقت کی قدر کرو -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوتا ہے کہ :- اَنْتَ الشَیْخُ الْمَسِیحُ الَّذِی لَا یُضَاعُ وَقْتُہ
کہ تو وہ بزرگ مسیح ہے کہ جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا -

ہم لوگ ہیں کہ ہمارا قومی مزاج سا بن گیا ہے کہ وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کرتے، اسکو صحیح استعمال نہیں کرتے اور جب پوچھا جائے تو بڑے وثوق سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جی کیا کریں وقت ہی نہیں ملتا -

ایسے لوگوں کو وقت کبھی ملا بھی نہیں کرتا اور جب ملتا ہے تو وہ آخری وقت ہوتا ہے - کہ جب انسان سوائے حسرت کے کچھ کر نہیں سکتا - ضرورت ہے کہ ہم وقت کو پہچانیں اور اس کا صحیح مصرف کریں اس کے لئے اگر ہم نمازیں پانچ وقت پر باجماعت ادا کرنے کی عادت ڈال لیں تو ایک بنیادی کڑی مل سکتی ہے وقت سے صحیح فائدہ اٹھانے کی -

پھر اپنی اپنی عمر اور استعداد و صلاحیت، سہولت کے مطابق مطالعہ، اور مجلس کے کاموں میں دلچسپی لینا - مطالعہ میں

سب سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت اور صرف اسی پر اکتفانہ کیا جائے۔ بلکہ ترجمہ پڑھیں اور غور و فکر کریں۔ پھر آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں۔ پھر قرآن وحدیث کے نور سے معطر تحریریں ہیں روحانی خزائن ہیں ان کا مطالعہ کریں۔

اپنے نصاب کے ساتھ ساتھ مفید علمی اور معلوماتی کتب ورسائل کا مطالعہ کریں۔ دن کا کچھ حصہ مجلس کے کاموں میں صرف کریں۔ خدمت خلق کے امور میں حصہ لیں۔ گھر میں والدین، بہن بھائیوں اور بیوی بچوں کے ساتھ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں اور سارا دن گزارنے کے بعد یہ جائزہ لیں کہ آپ نے سارا دن کیسے گزارا۔ کیا آپ کا دل اور دماغ مطمئن ہے؟ کیا آپ کا جسم وروح پر سکون ہے؟ کیا وہ اس قدر پر سکون ہے کہ اب اگلا دن پہلے سے بہتر گزارنے کے لئے تیار اور مستعد ہے اور بے چین ہے کہ کب رات کے دو پہر گزریں اور دوبارہ بستر سے الگ ہو کر خدائے ذوالجلال، خالق کائنات، رب العالمین کے آگے سربسجود ہو کر راز و نیاز کرے، دعائیں اور التجائیں کرے، کہ اے خدا ہم بے کسوں اور غریبوں کو دین، قوم اور ملک کی خدمت کی توفیق دے اور ایسا کر کہ میری ساری عبادتیں اور قربانیاں اور میری زندگی اور میرا مرنا سب تری رضا کی خاطر ہو۔

وقت کا صحیح مصرف اسکی قدر و قیمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے اور ایسے لوگ پھر کبھی گھاٹے میں نہیں جاتے۔ یہ لوگ کبھی مرا بھی نہیں کرتے ہمیشہ زندہ رہا کرتے ہیں۔ امر ہو جایا کرتے ہیں

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی جب کہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اس وقت (دین حق) کی عزت بچانے کیلئے اور بطلان کا استیصال کرنے کیلئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔ فرقان کے بھی یہی معنی ہیں یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی اس لئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب الٰہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کردیں۔ بڑے تعجب کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتنا اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۷۳ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۵)

مجلسِ عرفان

حضور انور نے M.T.A پر مختلف سوالات کے جوابات دیئے ان میں سے کچھ "بحرِ عرفان" کے نام سے لجنہ اماء اللہ لاہور نے کتابی صورت میں شائع کئے ہیں ادارہ ان کے شکریہ کے ساتھ اس میں سے کچھ سوالات کے جوابات ہدیۂ قارئین کر رہا ہے۔

س - اسلام میں حجر اسود کی کیا اہمیت ہے؟

جواب۔ فرمایا کہ مجھ سے اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کیونکہ لوگ اس پتھر کے بارہ میں جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کہاں سے آیا اور کیوں اس کا اس قدر احترام کیا جاتا ہے نیز اسے بوسہ دینے کی کیا وجہ ہے؟ حجر اسود کے متعلق آنحضرتؐ کی ایک حدیث ہے کہ جب پہلی بار اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا گیا تو یہ پتھر آسمان سے بھجوایا گیا تھا اور اس وقت یہ پتھر سنگ مرمر کی طرح سفید تھا لیکن زمین کی حدود میں داخل ہونے کے دوران زمین کے گناہوں کیوجہ سے کالا ہو گیا فرمایا میں نے اس حدیث پر کافی غور و خوض کیا ہے اور میں بالاخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ جب اس زمین پر خدائے واحد کی پرستش کے لئے پہلا گھر بنایا جانے لگا تو اس علاقے میں یہ پتھر Meteorties کی بارش کے ذریعہ اللہ نے خاص مقصد سے اتارے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خلاء سے جب کوئی چیز زمین کی حدود میں داخل ہوتی ہے تو High Friction کیوجہ سے وہ داخل ہوتے وقت جلتی ہے اس لئے یہ بہت ممکن ہے کہ زمین کی حدود میں داخل ہونے سے پیشتر پتھر کا رنگ سفید ہو اور اس طرح آنحضرتؐ کی حدیث درحقیقت معنوی لحاظ سے اپنے الفاظ سے مطابقت رکھتی ہو لیکن اس کے برعکس یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے تمثیلی زبان استعمال کی ہو کیونکہ جب ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مساجد تعمیر کی جاتی ہیں تو ان میں ایک قسم کی سادگی اور پاکیزگی ہوتی ہے جن کو سفیدی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

لیکن آہستہ آہستہ لوگوں کے دل کثیف اور گندے ہونے سے ان کی عبادت میں خلوص نہیں رہتا۔ میرے خیال میں اس حدیث میں لفظی اور تمثیلی دونوں معنی پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور رہا یہ سوال کہ اس پتھر کو بوسہ کیوں دیا جاتا ہے تو یہ صرف محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں بعض اوقات ایسے خاص لمحات ضرور آجاتے ہیں جب اس کو اپنے پیارے کی کوئی نشانی دیکھ کر بے اختیار اس دوست کی یاد آجاتی ہے۔ ایسے اوقات میں وہ چیز بہت پیاری لگتی ہے اور انسان اس کو بے اختیار بوسہ دے دیتا ہے۔ اب اس بوسہ دینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس انسان نے اس چیز کی پرستش شروع کر دی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ خاص چیز آپ کو اس عزیز کی یاد دلا رہی ہے اگر وہ پتھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص پروگرام کے تحت آسمان سے بھجوایا ہے تاکہ وہ دنیا میں بننے والی پہلی عبادت گاہ میں استعمال ہو تو یہ حقیقت اس پتھر کو ہمارے لئے بہت عزیز کر دیتی ہے۔ اس پتھر کو بوسہ دینا فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

س - خلافت احمدیہ کی بقا اور دوام کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے گئے ہیں؟

جواب۔ فرمایا۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کی خلافت کا تعلق ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دیدی تھی کہ آپ کی خلافت تاقیامت جاری رہے گی۔ فرمایا یہ اسی طرح ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت اب تک قائم ہے۔ یہ سوال اس وقت زیر بحث نہیں کہ وہ خلافت حقہ تھی یا نہیں لیکن بہرحال جاری ہے۔ اس کے برعکس حضرت مسیح موعودؑ کو ہزار سال تک خلافت صالح جاری رہنے کی خدا تعالیٰ نے بشارت دی اور آپ کو ایک ہزار سال کا مجدد قرار دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے بعد زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک روزمرہ کے مسائل کا تعلق ہے، خلیفہ وقت ان کو بخوبی حل کر

سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر اس فتنے سے آگاہی اور نبٹنے کے مکمل وسائل رکھتا ہے جو خلافت احمدیہ کے مستقبل کے لئے باعث خطرہ ہو سکتے ہیں۔

فرمایا۔ جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے ایک منظم جماعت ہے اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں اس قسم کی یا اس سے بہتر جماعت موجود نہیں خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی جماعت احمدیہ کی کوئی بھی شاخ خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی اس طرح سے منظم ہے کہ ہر حصہ اپنے اپنے طور پر سرگرم عمل ہے۔

ہمارا نظام انتخاب جمہوری ہے جو کہ تمام دنیا میں کام کر رہا ہے اور کوئی بھی شخص اپنے متعلق غلط اور جھوٹا پروپیگنڈہ نہیں کر سکتا بلکہ وہ کسی بھی قسم کا پراپیگنڈہ نہ تو کرتا ہے اور نہ ہی اسے اس بات کی اجازت دی جاتی ہے حتیٰ کہ جو شخص کسی عہدے کے لئے چنا جاتا ہے وہ اپنا نام بھی خود پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی اس نظام کا نگران نظام خلافت ہے۔ اگر کسی جگہ انتخابات میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو خلافت کے نمائندے اس بات کا دھیان رکھتے ہیں کہ کسی قسم کا نقصان پہنچنے سے پیشتر اس حصے کو الگ کر دیا جائے جو نقصان پہنچانا چاہتا ہے یہ ایک ایسا عمدہ اور اعلیٰ نظام ہے کہ جس میں نظام خلافت اللہ تعالیٰ کا خادم بن کر جمہوری خیالات کی نگرانی کرتا ہے۔

فرمایا اس سے پیشتر اسلام میں بھی ایسے کسی نظام کی مثال نہیں ملتی۔ یہ دنیا میں اپنی قسم کا واحد نظام ہے۔ اسی لئے حضرت مصلح موعودؓ کو آپ کی پیدائش سے پیشتر ہی مصلح موعود قرار دیدیا گیا تھا کہ آپ کی پیدائش سے قبل کوئی شخص ایسا شاندار نظام قائم کرنے کے قابل نہیں ہوا جو نہایت درجہ متوازن ہو۔ اس نظام میں اوپر سے لے کر نیچے تک کوئی نہ کوئی آنکھ اس کی نگرانی کر رہی ہوتی ہے یہاں تک کہ نائیجیریا کے دور دراز علاقے میں واقع ہونے والی معمولی سے معمولی بات بھی خلیفہ وقت سے چھپی نہیں رہ سکتی۔

س ۔ دعائے قنوت صرف عشاء کی نماز میں ہی کیوں فرض کی گئی ہے نیز کیا باقی نمازوں میں اسے پڑھا جا سکتا ہے؟

جواب۔ دعائے قنوت کو ہر نماز میں اس لئے لازمی قرار نہیں دیا گیا کہ یہ ایک لمبی دعا ہے اگر اس کو ہر نماز میں پڑھنے کا حکم دیا جاتا تو امت مسلمہ کے لئے اس کی تکرار کو برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو صرف عشاء کی نماز میں فرض قرار دینے پر اکتفا فرمایا ہے' سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کوئی سورۃ یا آیت ہر نماز کے لئے فرض نہیں کی گئی باقی آیات پر کوئی پابندی نہیں خواہ ان کو بدل کر پڑھ لیا جائے یا ایک ہی بار پڑھ لے کسی قسم کی کوئی ممانعت نہیں جس طرح چاہے کر سکتا ہے دعائے قنوت کو صرف ایک بار فرض کر دیا گیا ہے یہ کم از کم ہے اس کو ایک بار سے زیادہ پڑھنے پر پابندی نہیں لگائی گئی دوسری آیات کی طرح ہر انسان اس کو بھی اپنی بساط کے مطابق زیادہ دفعہ پڑھ سکتا ہے۔

ہوتی تو مذہب بھی پیدا نہ ہوتا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگر اس طاقت کو غلط مقصد کے لئے استعمال کریں گے تو مادہ پرستی کا رجحان بڑھتا چلا جائے گا اور مادی اشیاء کی حرص بڑھے گی۔ اگر اس کا رخ صحیح متعین کر لیں گے تو پھر روحانی اور علمی دولت اور اللہ تعالیٰ سے قرب کی تمنا بڑھتی چلی جائے گی۔ دونوں حالتوں میں جوں جوں ترقی ہوتی جائے گی۔ خواہش بھی بڑھتی جائے گی۔ اس لئے اپنی ذات میں یہ تمنا بری نہیں بلکہ انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ اب یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس کا استعمال اچھے معنوں میں کرتا ہے یا برے معنوں میں۔

س ۔ اسلام Cousins میں شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن موجودہ تحقیق اسے مضر قرار دیتی ہے۔ اس کے متعلق کیا ارشاد ہے۔؟

جواب۔ فرمایا۔ اسلام جو ایک مکمل اور نسبتاً" ماڈرن مذہب ہے' Cousins کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام کا کوئی حکم سائنس اور حفظان صحت

کے اصولوں کے خلاف نہیں۔ یہ نظریہ جو آج کل عام ہو رہا ہے کہ خونی رشتہ داروں میں شادیاں آئندہ نسل کے لئے ضرر رساں ہیں بالکل غلط ہے۔ فرمایا میں نے اس بارہ میں بہت چھان بین کی ہے اور مجھے اچھی طرح علم ہے کہ محققین کی کیا رائے ہے سائنس دان کہتے ہیں کہ اگر متواتر اپنے خونی رشتہ داروں میں شادیاں کرتے رہیں۔ تو چند نسلوں کے بعد دو قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں پہلا یہ کہ انسانی Genes میں جو کمزور یا برے Points ہوتے ہیں وہ بار بار ضرب کھا کر بعض اوقات معذور بچوں کی پیدائش کا موجب بنتے ہیں۔ اور دوسری طرف اچھے اور مضبوط Pionts بھی Multiply ہو کر ذہین بچے پیدا ہونے کی وجہ بنتے ہیں اور ایسے بچوں کی ذہانت کا معیار بہت بلند ہوتا ہے۔ ایسی قومیں جن میں اپنے خاندان یا برادری سے باہر شادیاں کرنے کا رواج نہیں ان میں ایک خاص قسم کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً یہودی تقریباً تین ہزار سال سے صرف اپنے خاص حلقے میں ہی شادیاں کر رہے ہیں اور باہر کا خون بہت کم ان میں شامل ہوا ہے اس لئے ایک خاص قسم کی ہوشیاری اس قوم کا خاصہ بن چکی ہے۔ اسی طرح بعض معذور بچے بھی ان میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ باہر سے تازہ خون بالکل شامل نہ ہو۔

تصحیح پانچویں آل پاکستان سالانہ صنعتی نمائش 1999ء کی تفصیلی رپورٹ خالد کے مئی کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ انعامات اور پوزیشن حاصل کرنے والے خدام کی فہرست میں شعبہ فوٹوگرافی میں سوئم پوزیشن حاصل کرنے والے خادم کا نام سہواً رہ گیا تھا۔ ریکارڈ کے لئے تینوں پوزیشن حاصل کرنے والے خدام کے نام دوبارہ شائع کئے جا رہے ہیں۔

شعبہ فوٹوگرافی

اول: مکرم سیف الاسلام صاحب طاہر کراچی دوم: مکرم شیراز ہارون صاحب کراچی سوم: مکرم سلیم الدین صاحب ربوہ

حوصلہ افزائی: مکرم اسد سعید صاحب کراچی

باکمال شاعر ـــ درویش صفت ـــ قابلِ رشک داعی الی اللہ

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری

(مقالہ نگار مکرم چوہدری رشید الدین صاحب۔ دار الصدر۔ ربوہ)

خاندانی حالات

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب ہندوستان کے صوبہ یوپی کے قصبہ شاہجہانپور کے رہنے والے تھے۔ افغانستان سے آنے والے پٹھانوں نے اسے بسایا بعد ازاں سادات قوم کے کچھ افراد بھی یہاں آباد ہو گئے۔ اس کی آبادی زیادہ تر انہی دو اقوام پر مشتمل رہی۔ علم و ادب اور شاعری کا ذوق رکھنے کی وجہ سے یہاں کے لوگ ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ حضرت حافظ صاحب کا تعلق ترمذی خاندان کے سادات سے تھا جو اپنی املاک، دولت و ثروت اور اثر و رسوخ کے باعث شاہجہانپور میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اپنے خاندان کے بارہ میں خود حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

"میرے مورث اعلیٰ نہایت عابد بزرگ تھے جنہیں نواب پٹھان شاہجہانپور میں لائے اور پھر ان کی خدمت میں بطور نذرانہ وہ مکان، باغات اور زمینیں دیں جو ہمارے خاندان کی جائیداد ہیں۔ شاہجہانپور کے قرب ہماری زمینیں بعض دیہات میں بھی ہیں۔ میرے والد بزرگوار حضرت حافظ سید علی صاحب نہایت عالم، عابد، زاہد تھے جن کی زندگی سچے مخلص (مومن) کی زندگی تھی۔ ان کی نامی شخصیت کی وجہ سے بھی شاہجہانپور میں ہمارے خاندان کو بہت عظمت حاصل ہوئی نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے۔" (الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء)

پیدائش

حضرت حافظ صاحب کا سن ولادت اندازاً ۱۸۵۲ء بیان کیا جاتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کی پیدائش کا سال ۱۸۷۲ء ہے جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ والد ماجد کا نام حافظ سید علی میاں اور دادا کا نام سید ضیاء الرحمٰن احمد تھا۔ آپ کی والد محترم اپنے علاقہ کے ایک جید عالم اور متعدد کتب کے مصنف تھے۔ ان کا مشغلہ درس و تدریس تھا۔ فہم قرآن، حدیث اور فقہ میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔

علم و تربیت

حضرت حافظ صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی۔ قرآن مجید ناظرہ حافظ فضل احمد صاحب سے پڑھا اور علم قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ اپنے والد محترم سے حاصل کیا۔ آپ کے والدین نے آپ کے تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ دی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری والدہ میرے دوسرے بھائیوں کو شطرنج وغیرہ کھیلتے دیکھ کر کچھ نہ کہتیں لیکن جب کبھی میں ان کے ساتھ شامل ہوتا تو ناراض ہوتیں اور فرماتیں کہ میں مختار کیلئے پسند نہیں کرتی کہ وہ کھیل میں اپنا وقت ضائع کرے میں اسے ہمہ وقت لکھنے پڑھنے میں مصروف دیکھنا پسند کرتی ہوں۔ (الفضل ۶ مارچ ۱۹۶۶ء)

آپ نے شاعری کیلئے نہایت موزوں طبیعت پائی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ کے استاد اردو کے نامور شاعر جناب امیر مینائی تھے۔ تاہم ابتداء میں کچھ اصلاح اپنے استاد حافظ فضل احمد صاحب سے بھی لی۔ ایک دیندار اور علم دوست خاندان سے تعلق کی وجہ سے آپ کو دین اور علم دین سے ہی شغف رہا۔ آپ کو کتابیں جمع کرنے اور باغبانی کا شوق تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مجھے بچپن میں یہ شوق رہے ہیں۔ نت نئے نئے پھولوں سے باغ کو سجانا، کتابوں کی دکان میں گھس جانا اور دینی کتابیں خریدنا، قدیم شعراء کے قلمی نسخے خریدنا۔ میں نے پھولوں کے گملوں پر اتنا روپیہ خرچ کیا کہ میرے والد فرماتے کہ اس رقم سے تو ایک باغ خریدا جا سکتا تھا۔ میرے دوست مجھ سے پھولوں کے گملے لے جاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ بعض خوش رنگ گملوں کو میں نے باغ کے کونہ میں مرکزی حیثیت دی۔ میرا

ایک دوست وہ گملے لے گیا۔ لاچار میں نے دوسرے گملے اٹھوا دیئے۔ میری والدہ محترمہ فرمانے لگیں کہ اگر تمہارے دوست کو یہ علم ہوا کہ ان چند گملوں کے اٹھنے کی وجہ سے باقی ماندہ گملے اٹھوا دیئے گئے ہیں تو اسے دکھ ہوگا۔ فوراً ویسے ہی اور گملے خرید کر وہاں رکھ دو۔"

اس واقعہ سے جہاں آپ کا باغبانی کیلئے ذوق و شوق اور دوستوں کیلئے دریا دلی کا اظہار ہوتا ہے وہاں اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ کو آپ سے کتنا گہرا تعلق تھا اور کس لطیف رنگ میں وہ آپ کی تربیت کا خیال رکھتی تھیں۔ والدین کی تربیت اور گھر کے علمی ماحول نے آپ کے دل میں حصول علم کا شوق اور لگن پیدا کر دی۔ چنانچہ آپ کی ابتدائی عمر اسی کام میں گزری۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان بے کار مشغلوں سے بچا لیا جن میں رؤسا شہر کے بچے عام طور پر اپنا وقت ضائع کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"شاہجہانپور میں ایک روز میں اپنے دوستوں کے ساتھ بازار سے گذر رہا تھا تو ایک کتابوں کی دوکان دیکھی۔ اس میں گھس گیا۔ وہاں ایک آریہ معترض کی کتاب دیکھی جس میں آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ اعتراض پڑھا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے ووجدک ضالا فھدی یعنی اے رسول ہم نے تجھے گمراہ پایا اور ہدایت دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد ﷺ ایک عرصہ تک (نعوذ باللہ) گمراہ رہے ہیں۔ یہ اعتراض پڑھتے ہی میرے دل کو سخت چوٹ لگی اور آنحضرت ﷺ کی عزت پر حملہ نے مجھ سخت مضطرب کر دیا۔ میرا کنکوے اڑانے کا پروگرام وہیں ختم ہو گیا۔ فوراً واپس گھر لوٹا تاکہ والد صاحب سے اس اعتراض کا جواب معلوم کروں۔ مجھے اعتراض پڑھ کر کوئی وسوسہ تو پیدا نہ ہوا لیکن جواب معلوم کرنے کیلئے سخت بے چین تھا۔ میرے دوستوں نے پوچھا تم واپس کیوں جاتے ہو۔ میں نے انہیں کہا کہ تمہارے مذاق کی یہ بات نہیں ہے۔ ایک اور ساتھی جو ایک متمول تاجر کا لڑکا تھا بضد ہوا کہ اصل بات بتاؤ مجھے لاچار اپنا حال دل بیان کرنا پڑا۔ وہ کہنے لگا وہ ہندو لنگوٹ پوش ہمارے رسول کا حال کیا جانے۔ کیا ہمارے علماء کے پاس اس اعتراض کا جواب نہیں؟ پریشانی کی کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا کہ تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے۔ تم نے اعتراضات کے جواب جاننا علماء کے ذمہ کر رکھا ہے لیکن میں خود جواب معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" (الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء)

قبول احمدیت

حصول علم کیلئے جستجو ہی آپ کو احمدیت کی طرف مائل کرنے کا موجب بنی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ووجدک ضالا کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے سلسلہ میں آپ سخت پریشان تھے۔ آپ نے اپنے والد محترم جو ایک جید عالم تھے' سے دریافت کیا' خود لغت دیکھی لیکن تسلی نہ ہوئی اور بے چینی بڑھتی گئی۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب پڑھنے سے آپ کی یہ مشکل آسان ہوئی اور پھر کچھ مزید مطالعہ کے بعد جلد ہی آپ نے احمدیت قبول کر لی۔ تاریخ احمدیت میں آپ کا نام ۱۸۹۳ء میں بیعت کرنے والے رفقاء کے ساتھ درج کر کے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا گیا ہے۔

"حضرت حافظ صاحب کے شامل احمدیت ہونے کا موجب آئینہ کمالات اسلام کا ابتدائی ناتمام حصہ تھا جو اس کی اشاعت سے قبل حضرت منشی محمد خان صاحب کپورتھلوی نے آپ کے والد بزرگوار حضرت سید علی میاں صاحب کو بھجوایا تھا۔ آپ بالکل ابتدائی عمر سے مخالفین اسلام کے اس اعتراض سے بے انتہا بے چین رہتے تھے کہ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو ضال قرار دیا گیا ہے۔ حسن اتفاق سے آئینہ کمالات اسلام کا پہلا صفحہ جو آپ کے سامنے آیا اس پر موٹے حروف میں لکھا تھا ووجدک ضالا فھدی اور یہ وہی چیز تھی جس کی برسوں سے آپ کو جستجو تھی۔ آپ نے وہیں سے پڑھنا شروع کر دیا اور آخر تک پڑھ گئے۔ اس لطیف مضمون نے آپ کے دل میں یہ امر راسخ کر دیا کہ صاحب مضمون حضرت نبی اکرم ﷺ کے بے نظیر عاشق ہیں اور آپ اسی وقت سے اپنے آپ کو

حضور کے حلقہ بگوشوں میں شمار کرنے لگے۔"

(تاریخ احمدیت جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

اس موقع پر قبول احمدیت کے بارہ میں خود حضرت حافظ صاحب کا بیان درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو مفصل اور دلچسپ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"محمد خان صاحب کپور تھلہ کے ایک پھوپھی زاد رسالدار میجر عبدالکریم خان شاہجہانپور میں تھے۔ محمد خان نے ان کو تبلیغ کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تذکرہ ان تک پہنچایا۔ عبدالکریم خان کی نظر میں اس وقت کوئی عالم حافظ سید علی میاں (والد ماجد حضرت حافظ صاحب) کے برابر نہیں تھا۔ انہوں نے نہایت حقارت کے ساتھ محمد خان کے قول کو رد کیا اور کہا کہ حافظ سید علی میاں صاحب سے مباحثہ ہو تو حقیقت کھل جائے۔ محمد خان کو تعجب ہوا کہ اچھا یہ اتنے بڑے عالم ہیں جن پر آپ کو اتنا اعتماد ہے۔ میں کچھ کتابیں دیتا ہوں آپ کسی کتاب کا ان سے رد لکھائیں۔ حسب وعدہ وہ کتابیں انہوں نے شاہجہانپور بھیجیں۔ یہ ۱۸۹۲ء کی بات ہے۔ فتح اسلام' توضیح مرام' ازالہ اوہام' ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے چند رسائل اور بھی تھے جیسے سچائی کا اظہار اور یہ کئی کئی جلدیں تھیں۔ بعض کی پیشانی پر محمد خان لکھا تھا اور بعض پر محمد اروڑا۔ ان کتابوں میں آئینہ کمالات اسلام بھی تھی لیکن وہ اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھی اور نامکمل تھی۔ میں اس بیان کے کچھ عرصہ قبل اندر من مراد آبادی کی کتابوں میں چند اعتراضات پڑھ چکا تھا۔ ان میں یہ اعتراض مجھے بے چین کرنے کا موجب ہوا کہ قرآن شریف میں نبی اکرم ﷺ کے متعلق لفظ ضال موجود ہے۔ میں نے اپنے زمانہ کی حالت کے مطابق بہت کوشش کی کہ مجھے اس کا صحیح حل معلوم ہو جائے۔ کتابیں بھی بحث مباحثات کی جو اندر من مراد آبادی اور مولوی محمد علی ساکن بچھڑاؤں ضلع مراد آباد کی تصانیف سے تھیں اس غرض سے میں نے دیکھیں۔ مگر کوئی تسلی بخش بات مجھے معلوم نہ ہوئی۔ جب محمد خان صاحب کی بھیجی ہوئی کتابیں عبدالکریم صاحب رسالدار میجر کے ہاں پہنچیں تو وہ اس وقت میرے مکان پر تھے اور میرا ایک پاؤں جو کسی عارضہ کی وجہ سے سن ہو گیا تھا مل رہے تھے۔ خادم نے اطلاع دی تو انہوں نے کتابیں منگوائیں جو ایک بورے میں تھیں۔ میں چونکہ ابتدائے عمر سے مذاہب مختلفہ کی کتابیں دیکھنے کی عادت رکھتا تھا اس لئے میں نے شوق کے ساتھ وہ کتابیں اپنے قریب ایک سٹول پر رکھوائیں اور اپنے ہاتھ سے اس کی سِتلی کاٹی اور بورا کھولا۔ سب سے پہلے جن اوراق پر میرا ہاتھ پڑا وہ آئینہ کمالات اسلام کے اجزاء تھے۔ کتاب بالکل تازہ چھپی ہوئی تھی جس سے روشنائی کی بو آتی تھی اور ابھی خشک نہیں ہونے پائی تھی۔ اس کا کاغذ نہایت سفید اور روشنائی نہایت چمکدار تھی۔ سب سے پہلے جو صفحہ میرے سامنے آیا اس پر موٹے حروف میں لکھا تھا۔ ووجدک ضالا فھدی اور یہ وہی چیز تھی جس کا میں دنوں سے متلاشی تھا۔ میں نے وہیں سے پڑھنا شروع کر دیا اور آخر تک پڑھ گیا۔ مجھے وہ راحت اور سرور حاصل ہوا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ جو صاحب اس سے حصہ لینا چاہیں وہ اس موقع کو خود پڑھیں۔ اس مضمون نے میرے دل میں یہ امر راسخ کر دیا کہ صاحب مضمون نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عشق کے اس درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں جس کی نظیر موجودہ لوگوں میں نہیں مل سکتی۔ صرف اسی ایک بات نے مجھے آپ کو راستباز اور صادق مان لینے پر مجبور کر دیا۔ میری راہ میں نہ تو حیات و ممات کا مسئلہ جارج ہوا اور نہ ان کے نزول کا۔ میں اس وقت سے اپنے آپ کو آپ کے حلقہ بگوشوں میں شمار کرنے لگا۔ پھر میں نے آئینہ کمالات اسلام کے وہ باقی اجزاء جن کا میں ذکر کر چکا ہوں از اول تا آخر پڑھے۔ انہوں نے میرے خیالات کو بہت پختہ کر دیا کیونکہ وہ ساری کی ساری کتاب حضرت نبی کریم ﷺ کے محامد اور اوصاف سے پر ہے اس رنگ میں کہ نہ اس سے پہلے یہ انداز کسی کی تصنیف میں پایا اور نہ اس کے بعد۔"

(رجسٹر روایات نمبر ۱۳ صفحہ ۹۲)

اپنی بیعت کے سلسلہ میں مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

"آریہ معترض کا ایسا تشفی بخش جواب کسی بھی عالم نے آج تک نہیں دیا۔ خود والد ماجد نے مجھے جو جواب دیا تھا اس سے مجھے شرح صدر نہ ہوا تھا۔ اب میں سخت بے چین ہو گیا کہ جواب لکھنے والا کون بزرگ انسان ہے۔ ایسی تسلی بخش تحریر اور آسمانی علوم کا مصنف کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ اس کی زیارت کرنی چاہئے۔ یہ جو آئینہ کمالات اسلام کے صفحات تھے ان پر ٹائیٹل ابھی نہ لگا تھا۔ جلد ہی معلوم ہوا کہ قادیان میں ایک بزرگ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے علوم کے یہ دریا بہائے ہیں جو کہ مخالفین اسلام کا واحد توڑ ہیں۔ تب میں نے مصمم فیصلہ کیا کہ جلد از جلد قادیان جانا چاہئے۔

افتادگی میں بھی مجھے معراج ہے نصیب
ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبت کی راہ میں

مین پیلی بھیت جایا کرتا تھا۔ حسب معمول پیلی بھیت جانے کیلئے اپنی والدہ سے اجازت لی اور ارادہ یہی تھا کہ اجازت کا جو وقت ملے گا اس کے اندر ہی اندر قادیان سے ہو آؤں گا۔ اس تدبیر سے قادیان جانے کا پروگرام بن گیا۔ قادیان پہنچا وہاں زیارت امام سے دل باغ باغ ہوا۔ پانچ دن قادیان میں قیام کیا اور حضرت اقدس کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں واپس شاہجہانپور آیا۔ خیال تھا کہ جب شاہجہانپور پہنچوں گا میرے والد ماجد جو کہ نامی عالم ہیں، سخت مخالفت کریں گے دعائیں کرتا ہوا شاہجہانپور پہنچا۔ پہنچتے ہی مجھے علم ہوا کہ والد صاحب بھی بعد مطالعہ کتب وفات مسیح کے قائل ہو چکے ہیں۔ یہی ایک اختلافی مسئلہ اس زمانہ میں بڑی روک تھا۔ باقی مسائل ابھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ مجھے از حد خوشی ہوئی جب کہ والد صاحب نے شاہجہانپور کے لوگوں کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔"

(الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۶۹ء صفحہ ۵)

آپ کے والد محترم کی بیعت

حضرت حافظ صاحب کے والد محترم جناب سید علی میاں صاحب نے آپ سے کچھ عرصہ بعد بیعت کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھنے کی وجہ سے انہیں حضور سے عقیدت تو ہو چکی تھی اور وہ وفات مسیح کا مجالس میں برملا ذکر کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے بہنوئی مکرم محمد تقی صاحب سے فرمایا کہ "مولف براہین احمدیہ کچھ مرد میدان معلوم ہوتا ہے۔" آپ تحقیق کیلئے قادیان جائیں۔ چنانچہ وہ قادیان گئے اور چھ ماہ وہاں مقیم رہے اور حضور کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کرنے اور مجالس سے فیضیاب ہونے کے بعد واپس وطن لوٹے تو سید علی میاں صاحب نے بھی حضرت اقدس کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا۔

(بحوالہ الفضل یکم فروری ۱۹۶۹ء صفحہ ۳)

اپنے والد صاحب کی بیعت کے سلسلہ میں حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

"میرے والد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میرے بیعت کرنے کے بعد کی تھی۔ آپ مجھ سے حضرت اقدس کی کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے۔ اس کے بعد کتاب میں مضمون کا سیاق سباق خود دیکھ لیتے تھے۔ پھر کبھی کسی حوالہ کی مجھے ضرورت ہوتی تو میں حضرت والد صاحب سے پوچھتا تھا۔ آپ فرماتے کہ فلاں کتاب کے نصف یا ربع کے دائیں یا بائیں حصہ کو دیکھو۔ میں کتاب کھول کر دیکھتا تو حوالہ وہیں مل جاتا۔ انہوں نے ازالہ اوہام کا کچھ حصہ اور مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی سے مباحثہ کا مضمون پڑھ کر بیعت کی تھی۔ یوپی کے نامی علماء نے وفات مسیح کے موضوع پر مختلف مجالس میں آپ سے تبادلہ خیالات کیا باوجودیکہ مفتی کفایت اللہ جیسے لوگوں کی مخالفت تھی مگر شہر کے عوام نے آپ کی کبھی مخالفت نہ کی۔ وہ سب آپ کے سامنے مودب تھے۔" (الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء)

حضرت سید علی میاں صاحب اپنے علاقہ میں خوب تبلیغ کیا کرتے تھے۔ مختلف مجالس میں شریک ہوتے اور بڑے موثر

رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تحریر فرمودہ دلائل بیان کر کے لوگوں کو قائل کر لیتے تھے۔ محترم حافظ صاحب بیان فرماتے ہیں۔

"شاہجہانپور کے ایک معزز شخص نے حضرت والد صاحب کی دعوت کی۔ مجلس میں آپ کا تبادلہ خیالات وفات مسیح کے موضوع پر ایک نامی عالم سے ہوا۔ دعوت میں جو لوگ شریک تھے ان میں سے تقریباً پچیس آدمیوں نے اظہار کیا کہ وفات مسیح کے ہم آج سے قائل ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مجلس میں بھی حضرت والد صاحب کے بیان کردہ زبردست دلائل کی وجہ سے ایک درجن لوگ وفات مسیح کے قائل ہو گئے۔ والد صاحب نے بعدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ میں آپ کی چارپائی کے قریب بیٹھا تھا۔ مجھے کہنے لگے کیا مجھے اور لوگوں پر قیاس کرتے ہو؟ میں اپنی موت سے مطمئن ہوں۔ آپ نے یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کے مطابق بخوشی اپنی جان خدا تعالیٰ کو سونپی۔" (الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۶۹ء صفحہ ۵)

حضرت سید علی میاں صاحب کو اپنے علاقہ میں سلسلہ احمدیہ کی ایسی خدمت بجالانے کی توفیق ملی کہ حضرت مصلح موعود نے آپ کی تعریف فرمائی۔ حضور نے آپ کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

"یہ دونوں باپ بیٹا یوپی میں جماعت احمدیہ کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔" (الفضل ۶ مارچ ۱۹۶۹ء صفحہ ۵)

حضرت سید علی میاں صاحب کے سات بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ تین بیٹے تو بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ چار جوان ہوئے۔ جن میں سے حضرت حافظ مختار احمد صاحب بڑے تھے۔ سید انوار احمد صاحب اور سید احمد صاحب احمدی تھے اور انہیں اپنے علاقہ میں خدمت سلسلہ کی توفیق ملی۔ صرف مولوی نور احمد صاحب احمدیت کی نعمت سے محروم رہے۔ آپ کی بڑی بیٹی محترم سید محمد ہاشم صاحب بخاری (مبلغ غانا) کی والدہ تھیں۔ چھوٹی بیٹی کے سسرال احمدی نہ تھے۔ تاہم وہ خود آخری عمر میں بیعت کر کے احمدیت پر قائم ہو چکی تھیں۔

(رسالہ خالد فروری ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۷)

مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ

قبول احمدیت کے بعد حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب نے اپنی زندگی خدمت احمدیت کیلئے وقف کر دی۔ آپ عمر بھر تعلیم و تربیت اور تبلیغ وہدایت میں مصروف رہے۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے عشق تھا۔ خصوصاً ابتداء میں آپ نے حضور کی کتب پڑھنے کی طرف بہت توجہ دی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"بیعت کر لینے کے بعد حضرت اقدس کی کتابوں کے پڑھنے میں مجھے بہت لذت آتی تھی۔ میں حضور کی کتابوں کو اسی لذت میں بار بار پڑھتا حتیٰ کہ صفحات کے صفحات مجھے زبانی یاد ہو گئے۔ میرے سامنے کوئی شخص آپ کی عبارت میں سے ایک لفظ بھی آگے پیچھے کرے میں سمجھ جاتا ہوں کہ اس نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف یہ کہ کتابوں کو میں نے خود بار ہا پڑھا بلکہ دوسرے لوگوں کو یہ کتابیں بکثرت پڑھ کر سنائیں اور شروع سے آخر تک میرے ذہن کی ساخت ایسی ہو چکی ہے کہ بجز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے خیالات کے اور کوئی خیال نہیں آتا۔ کوئی بات میرے ذہن میں ایسی آ ہی نہیں سکتی جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم نہ ہو۔ اب بھی باوجود پیرانہ سالی کے میری یادداشت کا یہ حال ہے کہ شاید اب مجھے کسی کتاب کا صفحہ یاد نہ رہا ہو مگر کتاب کا نام مجھے ضرور یاد آجاتا ہے اور کتاب سامنے آتے ہی فوراً حوالہ دکھا دیتا ہوں۔ جو کوئی بھی کسی حوالہ کیلئے میرے پاس آتا ہے کبھی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فضل و کرم ہے۔" (الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۶۹ء صفحہ ۵)

حفظ قرآن

اسی زمانہ میں ایک اور بڑی نعمت آپ کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید حفظ کرنے

کی توفیق عطا فرمائی۔ ہوا یہ کہ کسی مخالف نے کہہ دیا کہ اگر احمدیت سچی ہے تو قرآن مجید حفظ کر کے آئندہ رمضان میں لوگوں کو سناؤ۔ آپ نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور اسی سال جب رمضان آیا تو بفضل اللہ تعالیٰ سارے کا سارا قرآن نماز تراویح میں سنا دیا۔ غیر معمولی حافظہ اللہ تعالیٰ کا آپ کیلئے خاص عطیہ تھا کہ تھوڑے وقت میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے حفظ قرآن کا طریق یہ تھا کہ پہلے آیت کے معنوں پر غور کرتا پھر انگلی کو اس طرح حرکت دیتا گویا آسمان پر یہ آیت لکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد تیسری دفعہ اس کی تکرار کرتا۔ بس یہ آیت ہمیشہ کیلئے مجھے یاد ہو جاتی۔ (بحوالہ الفضل ۲۷ فروری و ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء)

آپ کو قرآن مجید سے خاص لگاؤ تھا۔ ساری عمر اس کو پڑھنا پڑھانا جاری رکھا۔ درس و تدریس کے وقت خود بھی اس کا بے حد احترام کرتے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کا سبق دیتے۔ مکرم لئیق احمد طاہر صاحب (سابق نائب امام بیت الفضل لندن) بیان کرتے ہیں کہ انہیں کچھ عرصہ آپ سے تجوید القرآن کے اسباق لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ باوجود جسمانی کمزوری اور ضعف کے، قرآن مجید پڑھتے اور پڑھاتے وقت احتراماً اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے اور سر پر کوئی کپڑا ڈال لیتے۔ ایک دن ان کے قرآن مجید میں آپ نے نشانی کے طور پر رکھا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا دیکھ لیا جو کسی بوسیدہ اخبار یا رسالے کا حصہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات قرآن مجید کے احترام کے خلاف ہے کہ اس میں کوئی بوسیدہ یا میلی چیز رکھی جائے۔ صاف ستھرا سفید کاغذ رکھنا چاہئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حافظ صاحب ایسے عاشق قرآن تھے کہ وہ اس کے ادب و احترام کے سلسلہ میں معمولی باتوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ (رسالہ خالد اپریل ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۹)

کتابوں کا شوق

حضرت حافظ صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ شاہجہانپور میں آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں مذہب اور ادب کے متعلق ہزاروں کتب موجود تھیں۔ ان میں مختلف مذاہب کی نادر اور نایاب کتب بھی تھیں۔ قرآن مجید کے بعض نادر نسخے جمع کر رکھے تھے جن میں سے بعض ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ اسی طرح عہد نامہ عتیق اور جدید (یعنی بائبل) کے علاوہ وید بھی موجود تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے کئی کئی سیٹ رکھتے تھے تاکہ زیادہ لوگ مطالعہ کر سکیں۔ ایڈیشن اول آپ نے کلکتہ سے خوبصورت مجلد کروایا تھا اور اسے بڑے اہتمام کے ساتھ شیشہ کی الماری میں سجا رکھا تھا۔ (الفضل ۶ مارچ ۱۹۶۹ء)

جس قدر آپ کو کتب جمع کرنے کا شوق تھا اس سے کہیں زیادہ خود پڑھنے اور دوسروں کو سنانے کا ذوق تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ آپ کا دن رات کام ہی یہی تھا۔ آپ کے ایک عزیز کا بیان ہے کہ انہوں نے عمر بھر حضرت حافظ صاحب کو خالی بستر پر استراحت کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ ہر وقت چارپائی کا بیشتر حصہ کتابوں سے پر ہوتا اور وہ آنے والے دوستوں اور متلاشیان حق کو ان کی حسب منشا حوالے سنانے یا لکھانے میں مصروف ہوتے اور اگر اکیلے ہوتے تو خود مطالعہ کرتے۔ آپ کو یہ پورا علم ہوتا تھا کہ فلاں کتاب کونسی الماری میں کس جگہ پڑی ہے۔ آپ جب کبھی کسی سے کہتے کہ فلاں کتاب فلاں الماری میں فلاں جگہ پڑی ہے وہ ذرا نکال لاؤ تو دوست بڑے حیران ہوتے۔ ایک دفعہ کسی ایسے ہی موقع پر کسی نے کہہ دیا کہ حضرت حافظ صاحب کا حافظہ غیر معمولی ہے اس لئے آپ کو یاد رہتا ہے کہ کوئی کتاب کس جگہ پڑی ہے۔ اس پر فرمایا کہ میاں حافظہ کی بات نہیں بار بار پڑھتے رہنے اور ان کو دہراتے اور دیکھتے رہنے کی وجہ سے کتابوں کی ترتیب بھی مجھے یاد رہتی ہے۔

علاج کیلئے قادیان کا سفر

ایک دفعہ شاہجہانپور میں آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کو خون آنے کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ وہاں کے مشہور ڈاکٹروں اور طبیبوں سے علاج کروایا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ آخر آپ کے والد محترم آپ کو قادیان لے گئے تاکہ وہاں حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب نور اللہ مرقدہ کا علاج میسر آ سکے۔ حضرت مولانا ان دنوں مالیر کوٹلہ گئے

ہوئے تھے۔ آپ وہاں پہنچے تو حضرت مولانا نے کچھ دن قیام کا ارشاد فرمایا تاکہ تشخیص کے بعد علاج تجویز کیا جا سکے۔ نیز آپ نے حضرت حافظ صاحب سے دریافت کیا کہ اگر کوئی خاص دلچسپی ہو تو بتائیں۔ اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ آپ کی دلچسپی تو مطالعہ کتب ہی تھی۔ حسن اتفاق سے وہاں حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی وسیع لائبریری موجود تھی۔ آپ کے لئے مطالعہ کتب کا انتظام کر دیا گیا۔ آپ اسی میں مشغول رہتے۔ وہاں بعض نایاب کتب بھی موجود تھیں۔ آپ فرماتے کہ میں نے ان دنوں حضرت نواب صاحب کی لائبریری سے خوب فائدہ اٹھایا۔ کچھ دنوں بعد حضرت مولانا نے علاج تجویز کر دیا۔ آپ نے دو نسخے لکھائے اور فرمایا کہ آپ بے شک وطن واپس چلے جائیں اور پہلا نسخہ استعمال کریں۔ اگر آرام کے بعد دماغ کی طرف دباؤ بڑھ جائے اور حالت خراب ہونے لگے تو دوسرا نسخہ استعمال کریں۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے دونوں نسخے استعمال کئے اور انہیں بہت مفید پایا۔ قیام پاکستان تک اس تکلیف سے نجات رہی۔ یہاں آ کر بیماری عود کر آئی مگر وہ نسخے گم ہو چکے تھے اور تلاش بسیار کے باوجود مل نہ سکے۔ (الفضل ۹ فروری ۱۹۶۹ء)

اس سفر کی بدولت قادیان اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے علاوہ آپ کو حضرت مولانا نور الدین صاحب نور اللہ مرقدہ سے ذاتی تعارف اور تعلق پیدا ہو گیا جو آپ کی خلافت کے زمانہ میں مزید ترقی کر گیا۔

جلسہ مذاہب اعظم لاہور میں شرکت

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں محترم حافظ صاحب کو ۱۸۹۶ء میں جلسہ مذاہب اعظم لاہور میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے جلسہ مذاہب اعظم کی کارروائی سننے کی توفیق بخشی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مضمون حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے نہایت دلکش آواز میں سنایا۔ سامعین کی طرف سے ہر فقرہ اور ہر کلمہ پر صدائے تحسین و آفرین بلند ہوتی تھی۔ عجب سماں تھا اور خدا تعالیٰ کا نور نازل ہو رہا تھا۔ حضور اقدس کی پیشگوئی کے مطابق سب نے حضور کے مضمون کے بالا رہنے کی گواہی دی۔ اخباروں نے نہایت عمدہ اداریئے لکھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا مضمون کسی نے پسند نہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ سامعین جلسہ سے اٹھ کر جا رہے تھے اور کہتے تھے کہ یہ وہی پرانے مولویانہ خیالات ہیں۔ ان کی درخواست پر انہیں زائد وقت بھی نہ دیا گیا۔ ہم جب قادیان آئے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جلسہ مذاہب اعظم لاہور کے حالات سنائے اور حضور اقدس کی پیشگوئی کے مطابق سب نے حضور کے مضمون کے بالا رہنے کے نشان دیکھنے کی گواہی دی تو حضور اقدس بہت خوش ہوئے۔ حضور کا مقدس چہرہ چمک رہا تھا۔ جب بعض دوستوں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مضمون کے ناکام رہنے کا ذکر کیا تو حضور اقدس نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ ان کے مضمون کی ناکامی کا بار بار تذکرہ کیا جائے۔" (الفضل ۱۸ جنوری ۱۹۶۹ء)

حضرت بانی سلسلہ کی مجالس سے فیضیابی

وہ لوگ جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجالس اور صحبت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ بڑے ہی خوش قسمت وجود تھے۔ بے شمار برکتیں ان سے وابستہ تھیں۔ حضرت حافظ صاحب بھی ان خوش بخت لوگوں میں سے ایک تھے۔ آپ کو حضرت اقدس کے انفاس قدسیہ سے فیضیاب ہونے کے کئی مواقع میسر آئے۔ محترم حافظ صاحب فرماتے تھے کہ بعض اوقات حضرت اقدس کتاب کا جو حصہ تحریر فرماتے اسے ساتھ ساتھ مجالس میں سنایا جاتا۔ اس طرح ان مجالس میں انہیں کئی کتب سننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ طریق تھا کہ ابتدائی برسوں میں حضور اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب مسیح موعود کے ان خوش قسمت حواریوں میں شامل تھے جنہیں حضور

کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا تناول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ (الفضل ۲۷ فروری ۱۹۶۹ء)

شاہجہانپور میں مخالفت

حضرت حافظ صاحب کو دعوت الی اللہ کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ اسے ایک اہم دینی فرض سمجھ کر پیغام حق لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ آپ کی سرگرمیوں نے جب وسعت اختیار کی تو آپ کی سخت مخالفت شروع ہو گئی جو قتل کے منصوبوں تک پہنچ گئی۔ آپ کے ایک پرانے دوست مکرم حاجی عبدالقدیر صاحب جو آپ کی تبلیغ سے احمدی ہو چکے تھے نے آپ کو دشمن کے منصوبوں سے آگاہ کیا اور حفاظت کی طرف توجہ دلائی۔ نیز کہا کہ احتیاط کے طور پر گھر کا گیٹ اندر سے مقفل رکھا کریں۔ مکرم حافظ صاحب کو دروازہ بند رکھنا گوارا نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو چاہتے تھے کہ لوگ بلا روک ٹوک کثرت سے آئیں تاکہ تبلیغ کا موقع میسر آئے۔ محترم سید احمد میاں صاحب آف شاہجہانپور کی روایت ہے کہ جب حافظ صاحب نے اپنی حفاظت کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو محترم حاجی عبدالقدیر صاحب نے حضرت حافظ صاحب کی زندگی شدید خطرہ میں دیکھ کر حفاظت کی خاطر خود ایک ملازم رکھ لیا جو خفیہ طور پر حضرت حافظ صاحب کی گلی میں رات بھر پہرہ دیتا تھا۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد ہی گشتی پولیس کے ذریعہ بھرے پستول سمیت ایک مشتبہ شخص گرفتار کر لیا گیا جس نے پولیس کے سامنے اقرار کیا کہ وہ کوئی چور ڈاکو نہیں بلکہ شہر کے چند علماء اور رؤساء کے کہنے پر وہ مختار میاں کو ہلاک کرنے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

حضرت حافظ صاحب مخالفت اور معاندانہ منصوبوں کی ہرگز پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آپ نے سرگرمیاں پورے زور سے جاری رکھیں۔ علماء سے مباحثات اور مناظرے بھی ہوتے رہے زبانی بھی اور تحریری بھی۔ ایک دفعہ آپ شاہجہانپور سے کچھ دور پیلی بھیت میں گئے۔ اگلے روز کسی نے آپ کے گھر خط لکھ دیا کہ سید مختار احمد کو دشمنوں نے قتل کر دیا ہے۔ گھر میں غم کی صف بچھ گئی۔ تاہم اس اطلاع کے چار پانچ گھنٹے بعد ہی حضرت حافظ صاحب بخیر و عافیت گھر واپس پہنچ گئے۔ گھر والے حیران رہ گئے اور ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ سفر سے خلاف معمول اتنی جلدی کیونکر واپس لوٹ آئے۔ آپ نے بتایا کہ کشفاً مجھے گھر کا نقشہ دکھایا گیا تھا جس سے میں سمجھا کہ یہ صورت حال تو کسی کی وفات پر دلالت کرتی ہے اس لئے میں جلد واپس آگیا۔ غرض دشمن نے ہر طرح کے منصوبے باندھے لیکن ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید حضرت حافظ صاحب کے شامل حال رہی۔ (الفضل یکم فروری ۱۹۶۹ء)

معاندین کا بد انجام

شاہجہانپور کے ایک دوست محترم سید احمد میاں صاحب کی روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب چند احباب سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کچھ احمدی دوست بھی وہاں موجود تھے کہ شہر کا ایک مخالف رئیس فقیرے خاں آیا۔ وہ کچھ دیر بیٹھ کر آپ کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے جب دیکھا کہ حضرت حافظ صاحب کی باتوں کا لوگوں پر اثر ہو رہا ہے تو وہ جوش میں آگیا اور گرجدار آواز میں آپ کو کہا "اس بکواس کو بند کرو۔ ورنہ تیری ایک آنکھ تو خدا نے پھوڑی ہے (حضرت حافظ صاحب کی ایک آنکھ چیچک کی وجہ سے ضائع ہو گئی تھی) دوسری میں پھوڑ دوں گا۔" اس پر ایک احمدی دوست نے جو ریٹائرڈ فوجی تھے اپنی لاٹھی اٹھائی کہ اس گستاخ کی خبر لے لیکن حافظ صاحب نے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا کہ جو کہتا ہے کہنے دو۔ وہ شخص بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک دوست آئے اور حافظ صاحب کو اطلاع دی کہ فقیرے خاں گولی لگنے سے ہلاک ہو گیا ہے۔ آپ نے فوراً پوچھا کہ گولی کس جگہ لگی۔ معلوم ہوا کہ آنکھ پر ہی گولی لگی جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کہ غلطی سے اپنے ہی ایک ساتھی کی گولی اسے آ لگی۔

اسی طرح مکرم مولوی بشیر الدین احمد صاحب معلم سلسلہ بیان فرماتے ہیں کہ شاہجہانپور حضرت حافظ صاحب کے مکان کے ساتھ ایک دو منزلہ مکان تھا جس کا مالک ایک صاحب حیثیت آدمی تھا اور احمدیت کا شدید مخالف تھا۔ یہ اکثر آپ کو تنگ کیا

کرتا تھا۔ گالیاں دیتا اور آپ کے مکان میں اینٹیں مارتا۔ محترم حافظ صاحب صبر ہی کرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی گرفت نے اسے آلیا۔ اس کے جوان بیٹے نے خودکشی کرلی۔ اس کا سارا مال سٹے میں تباہ ہو گیا۔ پھر باؤلے کتے نے اسے کاٹ لیا اور وہ بیمار ہو کر کتے جیسی آوازیں نکالتا۔ لوگوں نے اسے اسی جگہ باندھ دیا۔ جہاں کھڑا ہو کر وہ گالیاں دیا کرتا تھا۔ یوں ذلیل ہو کر اپنے انجام کو پہنچا۔

وطن سے ہجرت

قبول احمدیت کے بعد حضرت حافظ صاحب نے اپنی زندگی عملاً خدمت سلسلہ احمدیہ کیلئے وقف کردی۔ پہلے آپ شاہجہانپور میں قیام پذیر رہ کر خدمت دین میں مصروف رہے اور لوگوں کو اپنے علم سے فیضیاب کرتے رہے۔ اس عرصہ میں جماعت کو آپ کے ذریعہ بفضل خدا اس علاقہ میں بہت ترقی حاصل ہوئی۔

۱۹۲۵ء کے قریب آپ عارضی طور پر قادیان تشریف لے آئے اور مرکز میں رہ کر علمی خدمات شروع کیں۔ پھر چند سال بعد آپ نے مستقل طور پر قادیان میں ہی سکونت اختیار کر لی اور سلسلہ کی علمی اور دینی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

علماء سلسلہ آپ سے ادبی اور علمی استفادہ کرتے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے اور جماعتی انتظام کے ماتحت جودھامل بلڈنگ کے ایک بالائی کمرہ میں فروکش ہو گئے۔ یہاں بھی آپ نے حسب سابق خدمت دین کا کام جاری رکھا۔ لاہور میں آپ نے دس سال قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ کو دعوت الی اللہ کے بہت مواقع میسر آئے اور کئی خاندان آپ کے ذریعہ جماعت میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر آپ ربوہ آگئے۔

(الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۶۹ء)

ربوہ میں آپ نے اپنے عزیز مکرم سید عبدالباسط صاحب نائب معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ساتھ کچے کوارٹر میں رہائش رکھی۔ یہ کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ نے ریلوے اسٹیشن کے سامنے شمالی جانب عارضی طور پر بنوائے تھے۔ کئی سال بعد جب پختہ کوارٹرز بن گئے تو حضرت حافظ صاحب وہاں منتقل ہو گئے۔ مکرم سید عبدالباسط صاحب اور ان کی اہلیہ نے حضرت حافظ صاحب کی بہت خدمت کی۔ جزاھما اللہ خیرا۔

ربوہ میں قیام

ربوہ میں قیام کے دوران بھی حضرت حافظ صاحب عام ادبی و علمی خدمت سلسلہ کے علاوہ لوگوں کو پیغام احمدیت پہنچانے کا فرض نہایت ذوق و شوق سے ادا کرتے رہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دعوت الی اللہ آپ کی روحانی غذا ہے۔ جس کے بغیر آپ کو چین نہیں آتا۔ اور اس کا ملکہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص طور پر ودیعت فرمایا تھا۔ آپ کا طریق تبلیغ نہایت موثر ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ فرماتے کہ مخاطب کے علم اور نفسیات کا مطالعہ کرکے تبلیغ کرنی چاہئے۔ مسکت جواب دینے سے بعض اوقات سلسلہ رک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کیلئے بیان مفصل ہونا چاہئے تاکہ سننے والوں پر مضمون پورے طور پر روشن ہو جائے۔ اسی طرح آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے شخص میں تین باتوں کا پایا جانا مفید ہوتا ہے۔ ۱۔ جرات، ۲۔ قوت موازنہ، ۳۔ تلاش حق۔ (۱) کیونکہ اگر کسی شخص میں جرات نہ ہو تو سچائی واضح ہو جانے کے باوجود وہ اسے قبول کرنے سے محروم رہتا ہے۔ لوگوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کی مخالفت کا خوف قبولیت کی راہ میں روک بن جاتا ہے۔ ۲۔ اور قوت موازنہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ شخص اچھے اور برے، حق اور باطل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ ۳۔ جسے حق کی تلاش نہ ہو وہ باتوں کو سنی ان سنی کر دیتا ہے جب تک دل میں صداقت پانے کی تڑپ اور جستجو نہ ہو تبلیغ سے کماحقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

نیز فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ میری باتیں سننے کے بعد دوبارہ ہمارے پاس چلا آئے تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب یہ بفضل خدا احمدیت کی نعمت سے محروم نہیں رہے گا۔ کیونکہ وہ دوبارہ اسی وجہ سے آتا ہے کہ اس کے دل میں تلاش حق کی جستجو جاگ اٹھی ہوتی ہے۔ (خالد مارچ ۱۹۶۹ء)

آپ کا یہ طریق تھا کہ جب کوئی نئے غیر از جماعت شخص آپ کے پاس آتے تو آپ ان کا تعارف موجود احباب سے ان الفاظ میں کراتے کہ:۔

"یہ ہمارے دوست ہیں۔ پہلی دفعہ ربوہ آئے ہیں" ان کے لئے غیر احمدی کا لفظ استعمال نہ کرتے تاکہ وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کریں۔ آپ پیغام حق پہنچانے کیلئے اس قدر جوش اور جذبہ رکھتے تھے کہ ایام پیری میں بعض اوقات ضعف سے بولنا مشکل ہوتا لیکن جونہی کوئی شخص آجاتا یا کوئی دوست کسی اعتراض کا ذکر کر دیتا تو بولنا شروع کر دیتے۔ آہستہ آہستہ تمام ضعف دور ہو جاتا۔ یوں معلوم ہوتا کہ جسم میں پوری قوت عود کر آئی ہے اور آپ تندرست و توانا شخص کی طرح گھنٹوں بولتے چلے جاتے۔

مکرم شبیر احمد صاحب آف کوئٹہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ اپنے ایک عزیز کو جو پہلی دفعہ ربوہ آئے تھے ہمراہ لیکر حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہت ضعف اور نقاہت تھی۔ آواز بھی بہت نحیف تھی۔ تعارف کے بعد آپ نے سلسلہ کلام شروع فرمایا۔ چند منٹوں کے بعد ایک توانا شخص کی طرح اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آواز میں رعب اور زور آگیا۔ دو اڑھائی گھنٹے گفتگو جاری رہی۔ جب باہر آئے تو نووارد عزیز حیران تھے کہ کمرہ میں داخل ہوتے وقت تو انہوں نے سمجھا کہ ہم ایک مریض کی عیادت کیلئے آئے ہیں۔ لیکن جلد ہی یہ بیمار بزرگ اپنی پر رعب اور گرجدار آواز کے ساتھ تندرستی اور توانائی کا پیکر نظر آنے لگے۔ (الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۶۹ء)

پیغام حق دیتے وقت حضرت حافظ صاحب کا طریق بہت دلکش اور پیارا ہوتا۔ سننے والا نہ تو اکتاہٹ کا اظہار کرتا اور نہ ہی کسی تیز بات کی وجہ سے مشتعل ہوتا۔ آپ بات کو مفصل طور پر سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر کوئی سوال کرنے والا اپنی بات وضاحت سے بیان نہ کر سکتا تو پہلے سوال یا اعتراض کی وضاحت فرماتے پھر تفصیلا جواب دیتے اور ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کرتے۔ عام طور پر آپ اس شخص کو مخاطب نہ فرماتے بلکہ کسی موجود احمدی دوست کو مخاطب کر کے بات کرتے تاکہ وہ شخص خاموش اور دلجمعی سے سنتا رہے اور بات کو سمجھ جائے۔ آپ فرماتے کہ میں ایسے شخص کو اس لئے مخاطب نہیں کرتا کہ وہ کوئی بوجھ یا گھبراہٹ محسوس نہ کرے۔ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں آپ کا ایک طریق یہ بھی تھا کہ مخالف علماء کی کتب سے یہ ثابت کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں انہوں نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ عملاً جان بوجھ کر جھوٹی باتیں حضور کی طرف منسوب کی ہیں۔ آپ فرماتے کہ جن مولویوں کی دیانت کا یہ حال ہے کہ وہ عمداً جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی پیروی کر کے انسان کو ہدایت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ آپ مخالف کی کتاب زیر تبلیغ شخص کے ہاتھ میں دیتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کے ہاتھ میں پکڑاتے اور خود زبانی حوالہ پڑھنا شروع کرتے اور ساتھ ساتھ دریافت فرماتے کہ جو بات مخالف مولوی نے لکھی ہے کیا وہ حضور کی کتاب میں موجود ہے۔ دونوں کتب کا موازنہ زیر تبلیغ شخص کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ثابت ہوتا۔ (خالد مارچ ۱۹۶۹ء)

غیر مسلم لوگوں کو تبلیغ کے بارہ میں بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی گفتگو بڑی موثر ہوتی اور انہیں لاجواب کر دیتی۔ ایک دفعہ ایک انگریز پادری صاحب ربوہ میں آئے۔ وہ اردو زبان بول سکتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں لاہور کے اکثر علماء سے گفتگو کر چکا ہوں لیکن میرے سوالوں کا تسلی بخش جواب کوئی بھی نہیں دے سکا۔ چند نوجوان پادری صاحب کو حضرت حافظ صاحب کے پاس لے آئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے بارہ میں تبادلہ خیال شروع ہوا۔ محترم حافظ نے ایک دوست سے کہا کہ فلاں الماری کے فلاں خانہ سے انجیل مقدس اٹھا لاؤ۔ پھر پادری صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

دیکھیں ہم نے انجیل اپنی مقدس کتب کے ساتھ احترام سے رکھی

ہوئی ہے۔ براہ مہربانی اب متی باب ۱۱ کی یہ آیات پڑھیں۔
"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔ لیکن جو آسمان کی بادشاہت میں چھوٹا ہے وہ اس سے بڑا ہے۔ اور یوحنا بپتسمہ دینے والے کے دنوں سے اب تک آسمان کی بادشاہی پر زور ہوتا رہا ہے اور زور آور اسے چھین لیتے ہیں۔ کیونکہ سب نبیوں اور تورات نے یوحنا تک نبوت کی۔ اور چاہو تو مانو ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔"

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ حضرت یسوع مسیح نے حضرت الیاس کو آمد ثانی کی تعبیر خود بیان فرما دی کہ وہ یوحنا کی شکل میں آ چکے ہیں۔ اب اگر بقول عیسائی صاحبان وہ اپنی آمد ثانی کے وقت خود تشریف لے آئیں تو کیا یہودی یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہونگے کہ آپ کی جگہ کوئی اور کیوں نہ آیا۔ ہمارے بزرگوں نے آپ سے کہا تھا کہ مسیح سے پہلے الیاس کا آسمان سے نازل ہونا ضروری ہے تو اس وقت آپ نے تاویل کر دی کہ وہ یوحنا کی شکل میں آ چکا اور جب اپنی باری آئی تو خود آ گئے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

اس پر پادری صاحب کہنے لگے۔ "آپ کا مطلب یہ ہے کہ یسوع مسیح (حضرت) مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت میں آ چکے" محترم حافظ صاحب نے جواباً فرمایا۔ میرے کہنے کی بات نہیں۔ خود آپ کے یسوع مسیح اور آپ کی انجیل یہی کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد کچھ دیر مجلس میں خاموشی رہی۔ پادری صاحب سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ مبہوت بیٹھے رہے۔ بالآخر شکریہ کہا اور چلے گئے۔ ساتھ آنے والے اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ (الفضل یکم فروری ۱۹۶۹ء)

پیغام حق پہنچانے کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کو زیر تبلیغ اشخاص کی سعادت قلبی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ خداداد فراست سے آپ دیکھ لیتے تھے کہ کس کا دل نور احمدیت سے منور ہو گا۔ ایسے لوگوں پر آپ خاص توجہ دیا کرتے تھے۔

مکرم ضیاء الحق صاحب آف لاہور بیان کرتے ہیں کہ وہ اکثر حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنے ایک غیر از جماعت دوست کو اپنے ساتھ ربوہ لائے اور محترم حافظ صاحب سے ان کی ملاقات کروائی۔ یہ دوست آہستہ آہستہ جماعت کے بہت قریب آ گئے یہاں تک کہ ایک دفعہ سالانہ اجتماع انصار اللہ مرکزیہ میں بھی شامل ہوئے۔ اس موقعہ پر بھی وہ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعد ازاں حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن حافظ صاحب ہر [illegible] اس کے بارہ میں پوچھتے۔ آپ کی وفات سے چند دن پہلے میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ میاں وہ تمہارے تاجر دوست کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ پتہ نہیں وہ دنیا دار آدمی ہے۔ اپنے کاروبار میں ہی مگن ہو گا۔ میرے اس جواب پر ضعف کے باوجود بلند آواز سے فرمایا۔ "میاں میں نے اس میں ایمان کا نور دیکھا ہے۔ جاؤ اور اس کا پیچھا کرو۔" چنانچہ اس کے جلد بعد میں ان سے ملا وہ دوبارہ جماعت کے قریب آ چکے تھے۔ اور جلد ہی انہوں نے بیعت کر لی۔ یہ دوست محترم چوہدری نصیر احمد صاحب مالک الائیڈ سائنٹیفک سٹور لاہور تھے۔ جو نہایت مخلص احمدی ثابت ہوئے۔ بفضل خدا انہیں بہت قربانی کی توفیق ملی۔

اسی طرح ایک دفعہ تعلیم الاسلام کالج کے ایک طالب علم جو کالج کے غیر احمدی طلباء کے امام الصلوۃ تھے، حضرت حافظ صاحب سے ملنے آئے۔ آپ نے انہیں پیغام حق پہنچایا۔ گفتگو کے بعد آپ نے فرمایا کہ مجھے آپ کے ماتھے پر احمدی لکھا نظر آتا ہے۔ ان کے ساتھ جو احمدی طالبعلم آئے تھے انہیں آپ نے کہا کہ انہیں آپ تبلیغ نہ کیا کریں۔ یہ خود کتب پڑھ کر احمدی ہونگے۔ ان کے دل میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ انہوں نے خود ڈیڑھ سو روپے خرچ کر کے کتب خریدیں۔ حضرت حافظ صاحب سے دوبارہ ملاقات سے قبل ان سب کتب کا مطالعہ کر چکے تھے۔ جلد ہی وہ بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے اور کالج میں

اپنے مقتدیوں سے کہہ دیا کہ وہ کسی اور کو امام بنالیں۔ یہ طالب علم محترم لال خان صاحب تھے جو بعد ازاں انجنیئر بن کر ہری پور ضلع ہزارہ میں متعین ہوئے اور خدمت سلسلہ کی توفیق پائی۔

(ماہنامہ خالد فروری ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۸)

الٰہی نعمتوں کا تذکرہ

حضرت حافظ صاحب نے امیرانہ ٹھاٹھ ترک کر کے دین کی خاطر درویشانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ قناعت پسند بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا کفیل تھا۔ وہ آپ کی ضروریات اور خواہشات کو عجیب رنگ میں پورا کر دیتا۔ اور آپ ایک شکر گزار بندہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا اکثر ذکر کرتے رہتے کئی واقعات بیان فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ پاکستان آنے کے بعد ایک دن مجھے خیال آیا کہ یہاں آکر اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت عطاء کی ہے لیکن ابھی تک کوزہ مصری کھانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ فرمایا کہ اگلے ہی روز سرگودھا سے محترم مرزا عبدالحق صاحب کے لڑکے کچھ پھل بطور تحفہ لائے۔ ان کے دوسرے ہاتھ میں ایک پوٹلی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں کوزہ مصری ہے جو میری والدہ محترمہ نے آپ کے لئے بطور تحفہ بھیجی ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عجیب تصرف ہے ادھر میرے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی ادھر اللہ تعالیٰ نے ایک دل پر تصرف فرما کر میرے لئے یہ نعمت بھجوا دی۔ (الفضل ۲ مارچ ۱۹۶۹ء صفحہ ۶)

اسی طرح کا ایک واقعہ آپ کے بھانجے محترم سید محمد ہاشم بخاری صاحب بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت حافظ صاحب مجھے فرمانے لگے کہ آج میرا دل کڑھی کھانے کو چاہتا ہے۔ اس پر میں بازار چلا گیا تاکہ دہی لا کر کڑھی تیار کر لی جائے۔ جب واپس آیا تو حضرت حافظ صاحب نے ایک ڈھکے ہوئے برتن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ دیکھو اس میں کیا ہے۔ میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ کڑھی ہے۔ آپ نے کہا کہ ابھی ابھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے از راہ نوازش خاکسار کیلئے بھجوائی ہے۔ نیز فرمایا کہ میرا بھی عجیب معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ میری حاجات کا خیال رکھتا ہے۔ (خالد فروری ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۸)

احترام خلافت

خلافت احمدیہ سے وابستگی جزو ایمان تھی۔ حضرت حافظ صاحب کا خلافت سے تعلق عشق کا رنگ رکھتا تھا۔ ہر ہدایت اور راہنمائی کیلئے اسی طرف نگاہ ہوتی تھی اور اپنے ملنے والوں کو بھی اسی امر کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی وفات پر نوجوانوں کو خلافت سے گہرا تعلق پیدا کرنے کی نصیحت اس کثرت سے کی کہ کئی دنوں تک آپ اسی موضوع پر بولتے رہے۔ آپ فرماتے کہ خلیفہ وقت سے ہر ایک کا ذاتی تعلق اس قدر ہونا چاہئے۔ صرف تب ہی وہ انوار اور برکات انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں جو جماعت احمدیہ سے وابستہ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی ہر موقع پر انسان کی راہنمائی فرماتا ہے۔ مکرم لئیق احمد طاہر صاحب کی روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا:۔

"ہمیں تو انتخاب خلافت (ثالثہ) سے پہلے ہی علم تھا کہ کس نے خلیفہ بننا ہے۔ انتخاب خلافت کے خصوصی اجلاس میں میرا بھی ایک ووٹ تھا۔ میں نے باسط (مکرم حافظ صاحب کے ایک عزیز محترم سید عبدالباسط صاحب نائب معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ جنہیں سالہا سال تک حضرت حافظ صاحب کی خدمت کی توفیق ملی) کو بلایا اور کہا جاؤ اور چوہدری اسد اللہ خان صاحب سے کہنا کہ جسے وہ اپنا ووٹ دیں گے میرا بھی انہیں کو دے دیں۔ باسط صاحب نے دریافت کیا وہ کسے ووٹ دیں گے۔ میں نے ان کی طرف غور سے دیکھا اور کہا کہ وہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو ووٹ دیں گے اور وہی خلیفہ بنیں گے۔ انتخاب خلافت سے قبل حضرت حافظ صاحب کا یہ ارشاد اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو یہ علم خدا تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

حضرت حافظ صاحب علالت اور ضعف کی وجہ سے خود بیعت خلافت ثالثہ کیلئے حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ تاہم حضور کے ہاتھ

میں ہاتھ دیکر بیعت کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خواہش بھی پوری فرمائی۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثالث از راہ شفقت آپ کے غریب خانہ پر تشریف لے گئے۔ اور آپ کو دستی بیعت سے سرفراز فرمایا۔ (خالد مارچ ۱۹۶۹ء ص ۱۴)

قبول احمدیت کے بعد وفات اور حضرت خلیفتہ المسیح کا ارشاد

حضرت حافظ صاحب نے عملاً اپنی تمام زندگی خدمت سلسلہ کیلئے وقف رکھی۔ ہر قسم کے دنیوی اشغال کو خیرباد کہہ کر آپ کی حیات کا ہر ہر لمحہ تبلیغ و اشاعت دین میں صرف ہوا۔ اس طرح خدمت دین میں کامیاب و کامران زندگی گزار کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ مخلص اور قدیمی رفیق مورخہ ۸ جنوری ۱۹۶۹ء بروز بدھ بوقت چھ بجے شام اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس لمحہ کیلئے وہ پہلے ہی تیار تھے۔ حضرت حافظ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے وفات کے سلسلہ میں قبل از وقت خبر اور تسلی دے دی تھی۔ چنانچہ وفات سے چند روز پہلے آپ نے ایک موقع پر فرمایا۔

"ہمیں مرنے کا کوئی ڈر نہیں۔ ہمارا ٹھکانہ تو بہشت ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں تسلی دی ہے کہ دوزخ کی آگ تم پر حرام ہے۔ پھر ہمیں موت سے کیا خوف ہو سکتا ہے۔"
(الفضل ۹ فروری ۱۹۶۹ء صفحہ ۵)

گویا خدا تعالیٰ کا یہ درویش بندہ اپنے مولا سے نفس مطمئنہ کی خوشخبری حاصل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفتہ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

"ہماری جماعت کے ایک اور سردار (حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہ جہان پوری) کل ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ ایک بے نفس خدمت کرنے والے بزرگ تھے۔ جنہوں نے بیماری کی حالت میں بھی بظاہر ایک مختصر سی دنیا میں جو ان کے ایک کمرے پر مشتمل تھی، (دعوت الی اللہ) اور تربیت کا ایک وسیع میدان پیدا کر دیا تھا۔ آخر وقت تک آپ کا ذہن بالکل صاف اور حافظہ پوری طرح کام کرنے والا رہا۔ اور آپ اس قدر (دعوت الی اللہ) کرنے والے اور اس رنگ میں تربیت کرنے والے بزرگ تھے کہ ہماری جماعت میں کم ہی اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم نے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا ہے۔ ہم سارے کے سارے اسی کے لئے ہیں۔ ہماری زندگی کے لمحات، ہمارے اموال، ہماری خواہشات، ہمارے جذبات، ہمارے آرام سب کچھ اسی کے حضور پیش ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ایک دن ہم اس کے حضور پیش ہونگے تو وہ ہماری ان حقیر کوششوں کی بہت جزا دے گا۔ اللہ کرے کہ ہمارے اس بزرگ بھائی کو جو اپنے آقا کے پاس پہنچ گیا ہے احسن جزاء ملے اور خدا کرے کہ ہم بھی اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی اس کے فضلوں کے وارث بنیں۔

حضرت حافظ صاحب کی وفات پر میں نے بہت دعا کی کہ اے میرے رب غلبہ دین حق کی جو مہم تو نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جاری کی ہے اس کی سرحدوں میں وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ ہمارے کام بڑھ رہے ہیں اور ہماری ضرورتیں زیادہ ہو رہی ہیں۔ ہمیں حضرت حافظ صاحب جیسے ایک نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں فدائی اور (دین حق) کے جانثار چاہئیں۔ تو اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر دے کہ جہاں جہاں اور جس قدر (دین حق) کی ضرورت تقاضا کرے، تیرے فضل سے (دین حق) کو اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تیرے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فدائی ملتے رہیں۔ تا تکمیل اشاعت ہدایت یعنی (دینی) شریعت کی اشاعت کی تکمیل کا جو زمانہ آج پیدا ہوا ہے اس زمانہ کے تقاضوں کو جماعت پورا کرتی رہے اور (دین حق) ساری دنیا میں غالب آ جائے۔"
(الفضل ۲۵ فروری ۱۹۶۹ء)

تحائف کا تبادلہ

(مکرم ظہور احمد صاحب)

انسانی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ ہر شخص دوسرے سے تعلق رکھنے پر مجبور ہے۔ اکیلا انسان کسی بھی معاشرے میں گزارہ نہیں کر سکتا۔ ہر آدمی کو اپنے علاوہ کسی نہ کسی سے تعلق ضرور رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ تعلقات آپ کو ہر جگہ ایک جیسے نظر نہیں آئیں گے۔ کسی جگہ بہت زیادہ دکھائی دیں گے گویا ایسے معلوم ہوگا کہ آپس میں انتہائی مضبوط قسم کا تعلق ہے۔ اور کسی دوسری جگہ پر آپ کو بالکل اس کے الٹ کیفیت دکھائی دے گی کہ تعلق تو ہے مگر برائے نام، صرف ایک گزارہ چل رہا ہے۔ اگر آپ ان دونوں تعلقات کا بغور جائزہ لیں گے تو اور باتوں کے علاوہ ایک بات تو قطعی طور پر کھل کر سامنے آئے گی کہ جہاں مضبوط تعلق ہے وہاں آپ دیکھیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے کا خوب خیال رکھا جا رہا ہوگا۔ یہ لوگ تعلقات برقرار رکھنے کے لئے ہر قسم کے جتن کرتے ہیں اور ان کی ایک بنیادی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کا تحائف کے ذریعہ بہت خیال رکھتے ہیں۔ لیکن جہاں تعلقات میں رخنے پڑ چکے ہیں وہاں آپ کو بالکل ان کے برعکس صورت حال نظر آئے گی۔ تحفہ سے تعلق اس لئے مضبوط ہوتا ہے کیونکہ اس کے دینے کے نتیجہ میں آپس میں محبت بڑھتی ہے اور باہمی کدورتیں دور ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ تھادوا تحابوا!
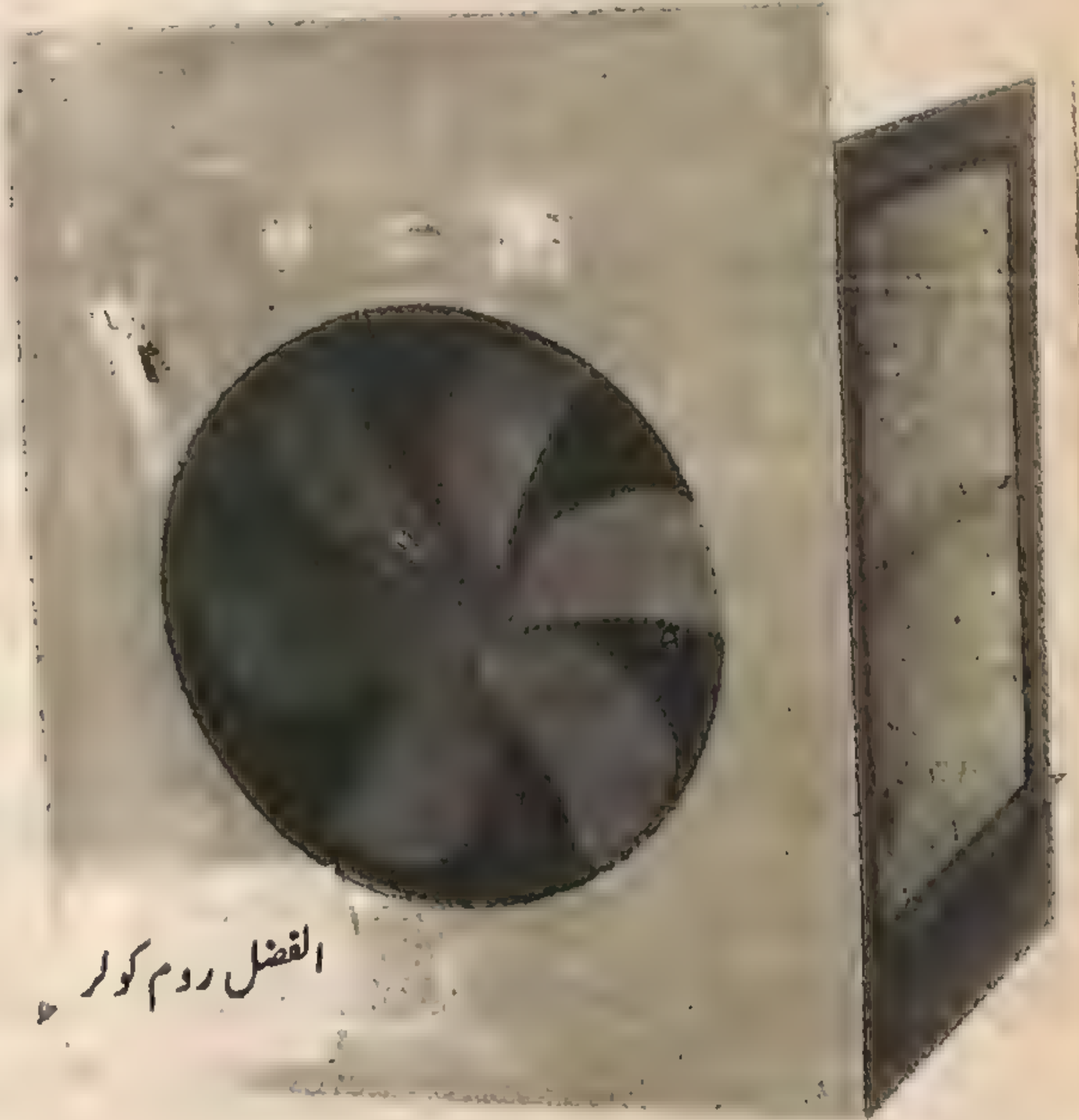
عام طور پر تحفہ صرف اشیاء کا سمجھا جاتا ہے جو کہ اس کی حقیقت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ بھی اس قسم کا خیال رکھتے ہیں ان کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ وہ تحفہ کے حقیقی مضمون سے پوری طرح آشنا نہیں ہیں۔ کیونکہ جو شخص اس کی حقیقت کو جانتا ہے وہ کبھی بھی تحفہ کو اس قدر محدود نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ بلکہ اس کی نظر ہمیشہ اس کی وسعت پر پڑے گی۔ یہ لوگ تحفہ کو صرف ظاہری اشیاء سے منسوب کرنا ایک قسم کی زیادتی اور بے انصافی خیال کرتے ہیں۔ لیکن یہ سوچ انہیں لوگوں کو عطا ہوتی ہے جو گہرائی میں اتر کر اس پر غور کرتے ہیں۔ اور لازماً ایک نہ ایک دن وہ اس کی وسعت سے پوری طرح آشنا ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان کا ہر وہ عمل جس سے وہ کسی دوسرے کو موہ لے وہ اس کی طرف سے ایک تحفہ ہے۔ مثلاً اگر آپ کسی کی تعریف کرتے ہیں کسی سے محبت اور پیار کا سلوک کرتے ہیں، اسے خوشیاں مہیا کرتے ہیں، اس کے دکھوں کو کم کرنے کے لئے اسے سکھ پہنچاتے ہیں۔ تو یہی وہ تمام امور ہیں جو ان کے نزدیک حقیقی تحفہ کہلاتے ہیں۔

خوشحال اور پرسکون زندگی سب سے بڑا تحفہ ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتا ہے۔ یہ ایک نعمت اور دولت ہے۔ جس کی اسے قدر کرنی چاہئے۔ اس لئے جو بھی اس نعمت سے متمتع ہو رہا ہے اسے چاہئے کہ ایک تو وہ اس پر اپنی پوری طاقت صرف کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا ذکر اور شکر بجا لائے۔ اور کبھی بھی اس سے غفلت نہ برتے اور دوسرے یہ کہ وہ اس تحفہ کو صرف اپنے تک محدود نہ رکھے بلکہ اسے دوسروں میں بھی پھیلانے کی کوشش کرے۔ کیونکہ یہ تحفہ ایسا ہے جو دوسروں میں بانٹنے سے مزید بڑھتا ہے۔ یہ انسان کو اسی صورت میں راس آتا ہے اگر وہ اس میں دوسروں کو بھی برابر کا حصہ دار بنائے۔ لیکن اگر وہ بخل سے کام لیتے ہوئے خوشیوں کو صرف اپنے تک محدود رکھے گا۔ اس خیال سے کہیں میری خوشحالی میں کوئی کمی نہ آجائے تو اس صورت میں خدا تعالیٰ کا عطا کردہ یہ تحفہ اس کے اپنے ہاتھ سے بھی جاتا رہتا ہے۔ اور خوشگوار

زندگی اس کے لئے ایک حسرت بن کر رہ جاتی ہے۔

ہمیں آپس میں تحائف کا تبادلہ کرتے ہوئے اس بنیادی حقیقت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ اسی کے نتیجہ میں تحفہ کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ تحفہ صرف ایک رسم بن کر رہ جاتا ہے۔ جس کا نہ دینے والے کو کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ لینے والے کو ہوتا ہے اور یہ کیفیت تب پیدا ہوتی ہے جب اس کی روح کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ اور تحفہ میں خلوص شامل نہیں ہوتا بلکہ سارا زور ظاہر پر ہوتا ہے۔ ایک مادی چیز کو اہمیت دے دی جاتی ہے۔ جس کا باطنی جذبات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔ درحقیقت تحفہ کی روح تو وہ خلوص اور جذبات ہیں جو کسی کے لئے دل میں پیدا ہوں۔ یا کوئی ان کی قدر کرے۔ اور ظاہری چیز جس نے تحفہ کا لبادہ اوڑھا ہوتا ہے وہ صرف ایک علامت ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس لئے آپس میں جب بھی تحائف کا تبادلہ کیا جائے تو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ زیادہ زور ظاہر کی بجائے باطن پر ہو۔ اگر یہ چیز پیدا ہو جائے تو ایسا طبقہ پھر خواہ ظاہری تحفوں کو جتنا بھی رواج دے وہ غلط سوچ سے ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اندر تحفہ کی روح موجود ہوتی ہے۔ لیکن جہاں سراسر ظاہر پر زور ہو وہاں اصلاح کی ہر وقت ضرورت ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ بے جا رسمی تحفوں سے اجتناب کیا جائے۔ اور اس کی جگہ آپس کے تعلقات کی طرف توجہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ جہاں ظاہری تحفوں کو اہمیت دی جاتی ہے وہاں تعلقات میں کئی قسم کے رخنے آپ کو نظر آئیں گے۔ ایسی سوسائٹی کے افراد کو چاہئے کہ وہ زیادہ توجہ آپس کے بگڑے ہوئے تعلقات کو خوشگوار بنانے پر صرف کریں۔ جس کے لئے کسی ظاہری تحفہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ تحفہ وہاں صرف ایک تکلف بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے ماحول میں تحفہ کی روح یعنی باطنی جذبات کو ابھارنے اور پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس ایسے معاشرے میں جب تک اس قسم کے تحفوں کو رواج نہیں دیا جائے گا اس وقت تک ان کی صحیح رنگ میں اصلاح ناممکن ہے۔

جہاں تک رسمی تحفہ کا تعلق ہے اس کو ہر شخص Afford بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے پیش کرنے کے لئے انسان کو محنت اور مشقت کے علاوہ روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے بلکہ ہر قسم کا طبقہ خواہ وہ غریب لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ نہایت آسانی سے ایسے تحفے ایک دوسرے کو پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہ تحائف خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتے بلکہ جو بھی کسی کے دکھ کو محسوس کر کے اسے سکھ پہنچاتا ہے اور غم زدہ لوگوں کو تحفہ دیتا ہے کہ ان کی زندگی میں ہر طرف خوشیوں کے رنگ پھیلا دیتا ہے تو ایسے شخص کی اپنی زندگی میں خوشیوں کی دولت بارش کی طرح برسنے لگتی ہے۔ اور اسے کسی بھی چیز کی کمی نہیں رہتی۔

تحائف کا آپس میں تبادلہ کرنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن اس محبت کی بنیاد بھی کسی ظاہر تحفہ پر نہیں رکھنی چاہئے۔ کیونکہ اس سے محبت میں دراڑ پڑنے لگتی ہے۔ ایسا تعلق جس کی بنیاد تحفہ پر رکھ دی جائے دائمی نہیں ہوتا بلکہ عارضی ہوتا ہے۔ جونہی کسی نے تحفہ دینے سے ہاتھ کھینچ لیا فوراً اس سے ناطہ توڑ لیا جاتا ہے۔ مگر وہ شخص جو تحفہ کی حقیقت سے آشنا ہے وہ کبھی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ اس کی نگاہ ظاہری تحفہ لیتے ہوئے اس جذبہ پر ہوتی ہے جو اس تحفہ میں باطنی طور پر شامل ہوتا ہے اور جب اپنی طرف سے کسی کو کچھ پیش کرنا ہوتا ہے تو اس موقع پر بھی دلی جذبات پر ہی زیادہ زور ہوتا ہے اور یوں یہ محبت کا تعلق ایک لمحہ کے لئے بھی کم نہیں ہوتا بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔

تحفہ خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو جس کسی کو پیش کیا جائے تو اسے لینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر حالت میں قبول کرنا چاہئے۔ انکار زیادہ تر اس وقت دیکھنے میں آتا ہے جب غریب لوگ امیروں کو کوئی چیز تحفہ میں دیتے ہیں۔ تو اس پر منہ چڑایا جاتا ہے اور ان سے گھن کا اظہار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کی نگاہ ان چیزوں پر نہیں جانی چاہئے بلکہ اس خلوص پر

پڑنی چاہئے جو کسی نے ان کی خاطر پیش کیا ہے۔ اس لئے ایسی حرکتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس قسم کا تکبر خدا تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔ اور یہ بات کفران نعمت کے دائرہ میں بھی آتی ہے۔ اس لئے اس سے ہمیشہ بچنا چاہئے۔ ہاں اس کے بالمقابل تحفہ کا تقاضا کرنا ایک بیہودہ حرکت ہے۔ اس طرح تحفہ کسی کو اس نیت سے دینا کہ جواب میں مجھے بھی اس جیسا یا اس سے اچھا تحفہ ملے۔ یہ بات بھی تحفہ کے آداب کے خلاف ہے۔ ایسی گھٹیا حرکتوں سے اجتناب برتنا چاہئے۔

ایک بات جس کا تحفہ کے آداب سے نہایت گہرا تعلق ہے اور جس کو خود ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پیش فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ تحفہ دے کر کسی صورت بھی واپس نہیں لینا چاہئے۔ یہ نہایت ہی قبیح حرکت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تحفہ دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کر کے پھر کھا جاتا ہے (بخاری و مسلم)

اب دیکھ لیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس حرکت کو کتنا گھٹیا قرار دیا ہے۔ اگر ایک شخص کسی کو خوشی پہنچا کر اس سے خوشی واپس لیتا ہے۔ یا کسی کو سکھ پہنچا کر اسے دوبارہ دکھوں میں مبتلا کرتا ہے تو ایسے آدمی پر بھی آنحضرت ﷺ کا یہی مقولہ صادق آئے گا۔ لہذا چاہئے کہ ایسی حرکات سے اجتناب کیا جائے۔

پس ہمیں تحفہ کی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے آپس میں تحائف کا تبادلہ کرنا چاہئے اس کے نتیجہ میں باہمی محبت میں مزید اضافہ ہوگا۔ اور جہاں تعلقات کشیدہ ہیں وہاں تو جیسے بھی ہو فوری طور پر اس کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تعلقات کے رخنے اس کے ذریعہ بہت جلد مندمل ہوں گے۔

تقریب شادی

خدا تعالیٰ کے فضل سے مکرم عطاء القدوس خان صاحب ابن مکرم رانا سلطان احمد صاحب ڈرائیور مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی شادی مورخہ 25 مارچ 1999ء کو محلہ باب الابواب ربوہ میں محترمہ امتہ الصبور صاحبہ بنت مکرم چوہدری محمد اعظم صاحب سابق کارکن وقف جدید محلہ باب الابواب ربوہ منعقد ہوئی۔ بعدہ مکرم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب خالد ربوہ نے دعا کروائی۔

دوسرے روز 26 مارچ 1999ء کو بوقت ساڑھے پانچ بجے شام محلہ باب الابواب میں دعوت عصرانہ دی گئی۔ مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد دعوت الی اللہ نے دعا کروائی۔ قبل ازیں ان کے نکاح کا اعلان مورخہ 23 ستمبر 1998 کو بعد نماز عصر بیت المبارک ربوہ میں مکرم مولانا سلطان محمود صاحب انور نے بعوض حق مہر تیس ہزار روپے کیا تھا۔

دولہا مکرم عطاء القدوس خان صاحب محترم چوہدری محب الرحمان صاحب مرحوم سابق سیکرٹری مال و سابق زعیم انصار اللہ چک نمبر 88 ج ب فیصل آباد کا پوتا ہے نیز دولہن اور دولہا محترم صوبیدار حبیب الرحمان صاحب مرحوم سابق صدر جماعت احمدیہ بلڑی شاہ کریم ضلع حیدر آباد کے نواسی نواسہ ہیں۔

احباب جماعت سے اس رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے درخواست دعا ہے۔ (ادارہ)

قوموں کے عروج و زوال میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کردار

(مکرم محمد زکریا ورک صاحب۔ کینیڈا)

مکرم محمد زکریا ورک صاحب کینیڈا نے یہ مضمون ارسال فرمایا ہے ان کا یہ مضمون ادارہ تہذیب الاخلاق اینڈ نشانت (بھارت) کے ذریعہ منعقد ہونے والے مقابلہ مضمون نویسی میں اول قرار پایا تھا اور ماہنامہ تہذیب الاخلاق میں شائع ہوا۔ (ادارہ)

رومن تہذیب اور سائنس

رومن تہذیب کا مرکز شہر روم تھا جو اب اٹلی میں واقع ہے۔ رومن تہذیب اس تمام علاقے میں پھلی پھولی جو اس وقت شام 'ترکی' اٹلی' اسپین' فرانس' یورپ کے تمام ممالک' قبرص' یونان اور افریقہ میں الجیریا اور مراکش کا علاقہ کہلاتا ہے۔

انگلش کا لفظ سائنس لاطینی لفظ Scientia سے اخذ ہوا ہے جس کے معنی ہیں علم۔ سائنسی علم مشاہدہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسے آسمان پر شور اور روشنی بادلوں کی گرج اور بجلی سے پیدا ہوتی ہے۔ سائنس کا مطلب فی الحقیقت سچ کی تلاش ہے۔ یونانی لوگ مشاہدہ کے معاملے میں بہت ترقی یافتہ تھے۔ انہوں نے ان مشاہدات کو رفتہ رفتہ جمع کر کے سائنسی قوانین اور اصول وضع کیے۔ رومن لوگوں نے اس طرح پیدا ہونے والے علم کو کتابوں کی صورت میں جمع کیا اور اس کے عملی فوائد نکالے تاکہ انسانی نسل اس سے مستفید ہو سکے۔ رومن لوگوں نے نئی سائنسی تھیوریز تو زیادہ نہ دیں مگر علمی فوائد بہت نکالے۔ اس چیز کو اطلاقی سائنس (Applied Science) کہا جاتا ہے' رومن لوگ مانے ہوئے انجینئر' شہروں کو باقاعدہ پلان کرنے والے اور عالی شان عمارات تعمیر کرنے والے تھے انہوں نے دھات پتھر اور سیمنٹ کے استعمال کو انتہا تک پہنچایا۔ رومن جنگجو بھی تھے۔ ۱۴۶ قبل مسیح کے وقت رومن تہذیب وسیع علاقے پر قابض تھی۔ اس کا مرکزی شہر روم امیر ترین اور تعلیم یافتہ شہر تھا۔ دوسرے ممالک کے سائنس دان اور عالم روم کی جانب کھنچے چلے آتے تھے جس سے روم کو بہت فائدہ ہوا۔ خاص طور پر یونانی سائنس دان یہاں کثیر تعداد میں آئے جو طب میں مہارت رکھتے تھے۔

رومن لوگوں نے جو یادگار عمارتیں تعمیر کیں ان میں درج ذیل ابھی تک ان کی یاد دلاتی ہیں۔

۱- Colosseum ایک تھیٹر جو پہلی صدی بعد مسیح تعمیر کیا گیا جہاں ان کے قومی کھیل منعقد ہوتے تھے۔

۲- Ponte Milvio ایک ۲۲۰۰ سال پرانا پل جس پر رومن سپاہی گزر کر جنگ کے لئے روانہ ہوتے تھے۔

۳-Pantheen رومن گرجا گھر یا مقدس عمارت جہاں وہ عبادت

کے لئے کھڑے ہوتے تھے- یہ ابھی تک دنیا کا وسیع ترین گنبد (Dome)ہے-

۴- Appian Way روم کی شاندار ہائی وے جو ۱۸۰۰۰۰ میل لمبی تھی-

۵- Aqua Claudia وہ نہر جس سے شہر میں تازہ پانی آتا تھا-

رومن انجینئروں نے سب سے پہلے اپنی عمارتوں میں Arch کو استعمال کیا' تیسری صدی بعد مسیح میں ان لوگوں نے کنکریٹ (Concrete) ایجاد کیا- جو چونا' پانی' ریت اور پتھر کے مکسچر سے بنتا تھا-روم شہر کا آغاز ۷۵۳ قبل مسیح ہوا-رومن لوگ Master Architects تھے-شہر میں شاندار عمارتوں کے علاوہ صاف بہتا ہوا چشموں کا پانی آتا تھا نیز سیوج (Sewage) کا بھی اعلیٰ انتظام تھا۔ امرا کے لئے جو شاندار مکان تعمیر کئے جاتے تھے ان کو Villas کہتے تھے- گھر کے اندر رومن لوگ موم بتی' صابن' پردوں کا استعمال کرتے تھے- گھر دو منزل کا ہوتا تو اس کے اندر سیڑھیاں ہوتی تھیں-

رومن لوگ پہاڑیوں میں معدنیات کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے' سونے کی کان وہاں کئی ایک تھیں اور سونا نکالنے کے لئے وہ Wedges`Iron`Picks`Spades`Hammers استعمال کرتے تھے- یہ لوگ چاندی اور سونے کے زیورات بناتے تھے- تانبے کا استعمال بھی عام تھا۔ لوہے سے اسٹیل ان لوگوں نے بنایا- اسٹیل سے یہ لوگ رومن سپاہیوں کے لئے تلواریں بناتے تھے- تانبے کو دوسری دھاتوں سے ملا کر یہ نئی دھات بناتے تھے جس کو Alloy کہتے ہیں اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ علم کیمیا سے آگاہ تھے ان لوگوں نے تانبا اور جست (Zinc) کو ملا کر پیتل (Brass) بنایا- دانتوں میں سونے کا استعمال ان لوگوں نے شروع کیا-

روم اور علم طب

جب روم کے لشکر جنوب کی طرف حملہ آور ہوئے تو انہوں نے یونان پر قبضہ کیا اور ان کے ہاتھ میں یونانی علم طب آیا- یونانی ڈاکٹروں کی روم میں بہت مانگ تھی یوں Hellenistic Medicine کا آغاز ہوا- یونانی ڈاکٹروں نے بیماریوں کی دو اقسام بتائیں ایک وہ جن کا تعلق دماغ سے تھا- دوسری وہ جن کا تعلق جسم سے تھا- ان ڈاکٹروں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کو سرجری میں مہارت تھی- مریض آپریشن کے دوران اگر درد سے چلاتا تو انہوں نے درختوں سے ایسے جوس بنالئے تھے جن کے پینے سے مریض کا درد کم ہو جاتا تھا- ٹوٹی ہڈیوں کو یہ جوڑ لیتے تھے- آنکھ کا آپریشن بھی یہ کر لیتے تھے جس کو موتیابند کہتے ہیں-

یونان نے اس دور میں ایک عظیم فزیشن پیدا کیا جس کا نام گیلن (Galen) تھا- اس نے یونانی طب اور سائنس میں تعلیم حاصل کی- اس کو مرض کی شناخت کا ملکہ حاصل تھا- اس نے روم میں پریکٹس شروع کی تو ایک وزیر کی بیگم کا کامیاب علاج کیا- بادشاہ اور وزیر رفتہ رفتہ اس سے علاج کروانے لگے- اس کے لیکچروں میں تعلیم یافتہ لوگ اور حکام آتے تھے- یوں وہ روم کا عبقری فزیشن بن گیا- اس نے پانچ سو کے قریب میڈیکل کتب تحریر کیں- اس کو علم الاعضاء اور فزیالوجی پر بھی دسترس حاصل تھی- اس نے کہا کہ اعصاب ہمارے سانس کو کنٹرول کرتے ہیں- پیشاب گردوں سے پیدا ہوتا ہے- اس نے دل' دماغ' اعصاب' گردوں غرضیکہ تمام اعضاء کے افعال بیان کئے- گیلن کی ایک کتاب کا نام "On Parts Affected by Disease" ہے جس میں جسم کے تمام اعضاء بیان کئے گئے ہیں- گیلن کی وفات ۲۰۰ بعد مسیح میں ہوئی- اس کے ساتھ یونانی طب روم میں کمزور پڑ گیا-

روم میں میڈیکل پریکٹس کے لئے تعلیم کے علاوہ ان کو لائیسنس بھی لینا پڑتا تھا- پبلک ہیلتھ کے لئے ہیلتھ انسپکٹر بازار میں جاتے اور پرانے پھل اور ترکاری کو ضائع کر دیتے تھے- بعض ڈاکٹر پانی کو ٹیسٹ کرتے تھے- شہر میں مُردوں کو دفنانے کی اجازت نہ تھی-

پانچویں صدی بعد مسیح میں روم کی تہذیب پر زوال آنا شروع ہو گیا- بعض کا خیال ہے کہ اس زوال کا باعث پانی کی نالیوں میں زہر کا پھیلاؤ تھا جس کو آج کل ہم Lead Poisoning کہتے ہیں-

رومن کیلنڈر کا اجرا

رومن بادشاہ جولیس (Julius Caesar) نے ایک یونانی اسٹرانومر کے مشورے پر ۳۶۵ دن کے سال کا اجراء کیا- ہر چار سال میں اس کیلنڈر میں ایک روز کا اضافہ کر لیا جاتا تھا جو لیپ کا سال بنتا تھا' اس کو اب Julian Calender کہتے ہیں اور یہ مغرب میں اب بھی استعمال میں ہے- انگلش میں مہینوں کے نام اسی کیلنڈر سے ہیں خاص طور پر جولائی کا مہینہ دیوتا Julius کے نام پر رکھا گیا تھا جب کہ جنوری رومن دیوتا Janus کے نام پر اور مارچ کا مہینہ رومن دیوتا Mars کے نام پر تھا - اگست کا مہینہ Caesar Augustus کے نام پر تھا جس نے جولیس کے مرنے پر حکومت کی' جولین کیلنڈر کی ۱۵۸۲ء میں پوپ گریگری XIII نے اصلاح و ترمیم کی مثلاً اس کے حکم پر ۵ اکتوبر ۱۵۸۲ء- "۱۵ اکتوبر" قرار دیا گیا-

جولیس سیزر کے حکم پر ۴۴ قبل مسیح میں رومن سلطنت کا نقشہ تیار کیا گیا- افسوس کہ وہ یہ نقشہ دیکھ نہ سکا' کیونکہ اس کو قتل کر دیا گیا-

رومن تہذیب کا زوال

تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ رومن تہذیب کا زوال ۱۶۲ بعد مسیح شروع ہوا- جب مشرق اور شمال سے اس پر دشمن حملہ آور ہوئے اور Pax Romana بکھرنا شروع ہوئی - ۱۸۰ بعد مسیح اگرچہ یہ سلطنت مزید تین سو سال قائم رہی مگر اب اس کے زوال میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کردار نمایاں تھا-

رومن لوگ رفتہ رفتہ قدرتی ذرائع سے عاری ہو گئے ان کو کوئلہ' لکڑی' لوہا اور پانی کی ضرورت تھی مگر انہوں نے سائنس (اطلاقی سائنس) میں زیادہ دلچسپی اب نہ لی لوگ ایک نئی تہذیب کے پیروکار بن گئے' جس کا نام Stoicism تھا- رومن لوگ فطرت کا مشاہدہ کرتے تھے مگر ان کو بیالوجی میں دلچسپی نہ تھی- رومن لوگ قابل انجینئر تھے مگر ان کو ریاضی میں دلچسپی نہ تھی- انہوں نے نیا کیلنڈر تیار کیا اگرچہ اسٹرانومی کا علم ان کو زیادہ نہ تھا- رومن لوگوں نے سائنس سے فوائد حاصل کئے مگر خود اس میں زیادہ کنٹری بیوٹ (Contribute) نہ کیا- رفتہ رفتہ سائنس کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی پر بھی اثر پڑا- سائنس اور ٹیکنالوجی دونوں اکٹھی کار آمد ہوتی ہیں- رومن لوگ نئے اوزار نئے Tools نہ بنا سکے جن کی ٹیکنالوجی کو ضرورت ہوتی ہے- ان کو بصریات (Optics) کا علم بالکل نہ تھا- اس لئے وہ مائیکروسکوپ یا ٹیلی اسکوپ ایجاد نہ کر سکے- سائنسی نظریات جوں جوں ختم ہوتے گئے ان کی تہذیب زوال پذیر ہوتی گئی- ۴۷۶ء بعد مسیح جرمن قوم کے حملے سے روم بالآخر دم توڑ گیا اور یہ تہذیب ختم ہو گئی-

قدیم عراق کی تہذیب

مشرق وسطی میں میں انسانی تہذیب کا آغاز دنیا کے دوسرے ممالک کی نسبت صدیوں پہلے شروع ہوا- قدیم عراق کو "تہذیب کا گہوارہ" قرار دیا جاتا ہے- لوگوں نے یہاں بستیاں آٹھ ہزار قبل بنانی شروع کی تھیں- Tigris اور Euphratcs کے دریاؤں کے اردگرد کے علاقے کو Sumer ملک کا نام دیا جاتا تھا اور یہاں کے رہنے والے لوگ Sumarian تھے- یہاں کے باشندوں نے دنیا کے پہلے شہر آباد کئے- ان شہروں میں انہوں نے عمارتیں تعمیر کیں اور فصلیں اگائیں- نیز انہوں نے علم و حکمت اور نئی دریافتوں کے لئے راہ ہموار کی-

۳۵۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۱۸۰۰ قبل مسیح تک ان سومیرین باشندوں نے قدیم عراق کے علاقے میں کلچر اور

سویلائزیشن کو ایک خاص شکل دینے میں حصہ لیا۔ ۱۸۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ بابل (Babylon) کا شہر ان کی تہذیب و تمدن کا مرکزی شہر بن گیا۔ بابلی تہذیب کا اثر ۱۰۰ قبل مسیح تک رہا۔ قدیم عراق میں جہاں دنیا کی سب سے قدیم تہذیب نے جنم لیا' وہاں یہ علاقہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے آغاز میں بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے ان لوگوں نے اپنی تخلیقی قوت اور مشاہدہ کی قوت سے سائنس کی ایسی سنگ بنیاد رکھی جس کا اثر صدیوں بعد محسوس کیا گیا۔

فن تحریر کا آغاز

کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ فن تحریر کا آغاز کب' کیسے اور کہاں شروع ہوا؟ آج سے تیس ہزار سال قبل انسان نے مٹی کی تختیوں پر نشان لگا کر لکھنا شروع کیا۔ یہ مٹی دریاؤں سے آسانی سے حاصل ہوتی تھی۔ نیز نرم مٹی سے مختلف قسم کی اشیاء کئی صورتوں میں بنانا بھی آسان تھا۔ فن تحریر کا آغاز قدیم عراق میں حساب کتاب اور گننے کے لئے کیا گیا۔ ۳۴۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ سومیرین باشندے گیلی مٹی پر تصاویر بنا کر اشیاء یا حقائق کا اظہار کرتے تھے۔ گندم مچھلی' بیل' سورج' کھیتی باڑی کی تصاویر منہ بولتی تصاویر تو تھیں مگر ان کے ذریعے پوری بات کا اظہار ممکن نہ تھا۔ جیسے اس بات کا اظہار کہ آسمان پر سورج کس رفتار سے سفر کرتا ہے؟ فصلوں کو اُگانے کے لئے کس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے؟ یا بیماریوں کا ہونا کیا دیوتاؤں کی طرف سے کسی آفت یا نشان کا اظہار تھا؟ ایک تصویر سے کسی شخص کا نام یا شہر کا نام کس طرح بیان ہو سکتا تھا؟ وقت کو کیسے بیان کر سکتے تھے؟ انسانی خیالات یا احساسات کا اظہار تصاویر سے کیسے ہو سکتا تھا؟ یوں ان لوگوں نے تصاویر سے تحریر کا کام لینا شروع کیا۔ پھر انسان نے علامتوں (Symbols) سے کام لینا شروع کیا جو پتھروں پر کندہ ہوتے تھے۔ نیز انسان نے کاغذ سے ملتے جلتے میٹریل پر لکھنا شروع کیا جس کو Papyrus کہتے تھے۔ وہ لوگ یا کاتب جو اس طرز تحریر میں ماہر تھے وہ ہڈیوں' لکڑیوں یا سرکنڈے سے لکھتے تھے۔ اس وقت لوگ اوپر سے نیچے لکھتے تھے۔ یا بعض دفعہ دائیں سے بائیں بھی مٹی کی تختیوں پر لکھا جاتا تھا۔ ایسی تختیوں کو سورج کی روشنی سے پکا کر لیا جاتا تھا۔ یہ کاتب ان تختیوں پر تیز تیز لکھتے تھے۔ قبل اس کے کہ یہ مٹی سخت ہو جائے ان کو یہ بھی پتا تھا کہ مٹی خشک ہو کر کتنا سکڑ جاتی ہے اس لئے وہ تختی کا استعمال اس کے مطابق کرتے تھے۔ جس طرح آج کی کمپیوٹر ڈسک اور کتابوں میں انفارمیشن ریکارڈ کی جاتی ہے' ان تختیوں پر بعینہ انفارمیشن ریکارڈ ہوتی تھی جن میں آسمانی مشاہدات ' طبی ہدایات اور حسابی فارمولے شامل تھے۔ یہ کاتب جانوروں' پودوں' زمین کے سروے اور بزنس اکاؤنٹ کی لمبی فہرست تیار کرتے تھے۔ ان تختیوں کی اشکال مختلف قسم کی ہوتی تھیں۔ بعض گول ہوتیں تو بعض بیضوی ' بعض چوکور اور بعض مستطیل شکل میں ' موٹی تختی پر تحریر کے خاص معنی تھے اور لمبی تختی پر تحریر کے بھی خاص معنی تھے۔ بعض تختیاں موجودہ زمانے کے قانونی دستاویز (Legal Documents) ہوتے تھے۔ بعض ریفرنس کے طور پر تھیں۔ جس طرح ماڈرن لائبریریوں میں ریفرنس کتابیں ہوتی ہیں۔ ۱۰۰ صدی بعد تک یہ Cuneiform طرز تحریر جاری رہا اور ان پر ہر طرح کا علم اور تجربہ ریکارڈ کیا جاتا رہا۔ یہ تختیاں اب جو ہمیں ملی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سائنس کا آغاز قدیم دنیا میں عراق سے ہوا۔

علم طب کا آغاز

پرانے زمانے میں لوگوں کا یہ خیال تھا کہ انسان بیمار اس لئے ہوتا ہے کہ دیوتا اس سے ناراض ہوتے ہیں یا اس پر جن بھوت کا اثر ہو گیا ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ نیچ ذات کے لوگ اچھے ذات والے لوگوں کو نظر لگا دیتے ہیں۔ ایسی بیماریوں کی بنیاد توہم پرستی ہوتی تھی یا اس کا علاج جادو ٹونے سے کیا جاتا تھا۔

بابل کے رہنے والے لوگوں کا خیال تھا کہ انسان کو بخار اس وقت ہوتا ہے۔ جب جسم میں بھوت داخل ہو جاتے ہیں اگرچہ

جڑی بوٹیوں کے کھانے یا دوا پینے سے بخار کم ہو جاتا تھا مگر اس کی اصل
و□ دیوتاؤں کی ناراضگی ہوتی تھی۔ اگر فیملی میں ایک فرد صحت یاب
ہو جاتا مگر کوئی دوسرا علیل ہو جاتا تو لوگ یہ مانتے کہ بھوت ایک جسم
سے نکل کر دوسرے میں چلا گیا ہے۔ مریض کے علاج کے لئے اس
کے سرہانے بھیڑ یا بکری باندھ دی جاتی تاکہ بھوت مریض کے جسم
سے نکل کر اس جانور میں چلا جائے۔ بعد میں اس جانور کو ذبح کر کے
اس کے اعضا کا مطالعہ کیا جاتا۔ یوں انسان کے اندر پوشیدہ اعضاء کا
مطالعہ شروع کیا۔

اس زمانے کے فزیشن ان اعضاء کا مطالعہ کر کے اس کو
تحریر میں منتقل کر دیتے۔ ان کے نزدیک دل ایک عضو تھا جو سوچ
اور علم کا مرکز تھا۔ خون کے بارے میں وہ خیال کرتے تھے کہ زندگی کا
مائع ہے۔ جسم کو کاٹنے سے سب سے زیادہ خون جگر میں ملتا تھا۔ لہذا وہ
جگر کو زندگی اور احساسات کا مرکز مانتے تھے۔ بابل کے رہنے والے
لوگوں نے جگر کی تصویر مٹی کی تختیوں پر جو بنائی اس سے پتا چلتا ہے
کہ جگر کا مطالعہ میڈیسن کا اہم حصہ تھا۔

اس زمانے میں بیماریوں کا علاج جڑی بوٹیوں سے کیا جاتا
تھا۔ فزیشن نسخہ خود لکھتے تھے، مگر اس نسخے میں جو چیزیں شامل کی
جاتیں وہ درج نہیں ہوتی تھیں۔ گھاس پھوس، درختوں کے پتوں اور
پتھروں سے دوائیاں بنائی جاتی تھیں۔ ان دوائیوں میں نمک اور شورہ
(Salt - Petre) بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ
"سالٹ پیٹر" اب بھی اس زمانے میں "پروسیس میٹ" میں استعمال کیا
جاتا ہے۔ نمک کا استعمال بطور جراثیم کش کے بھی ہوتا تھا۔ دوائیوں
کے نسخہ جات میں دودھ، سانپ کی کینچلی، کچھوے کا خول استعمال
ہوتا۔ نیز درختوں میں سے حنا، صنوبر، دار چینی اور بید کے درخت کے
پتے استعمال کئے جاتے تھے۔ بید کے درخت کی چھال اور پتے موجودہ
زمانے میں اسپرین (Aspirin) بنانے میں استعمال ہوتے ہیں اور
اسپرین کا اہم جزو ہیں۔ پھلوں میں سے ناشپاتی، کھجوروں اور
گولر (انجیر) کا استعمال عام تھا۔ طبیب اپنی دوکانوں میں ان درختوں یا
پودوں کے سوکھے پتے، یا جڑیں یا ٹہنیاں سجا کر رکھتے تھے۔ بعض ادویہ
کا مزہ بدلنے کے لئے فزیشن اس کو وائین (Wine) یا بیئر
(Beer) میں ڈبو کر مریض کو دیتے تھے تاکہ نگلنے میں آسانی ہو اور
معدے میں جا کر خون میں شامل ہو جائے۔

بابل کا مشہور بادشاہ حمورابی (Hammurabi) تھا،
جس نے جائیداد، بزنس، فیملی، لیبر اور مزدوروں کے زخمی ہونے
سے متعلق قوانین وضع کئے اس کو Code of Hammurabi
کہتے ہیں اس کوڈ کے مطابق سرجن اگر آپریشن کرنے میں کامیاب
ہو تو اس کو انعام دیا جاتا، ورنہ وہ سزا کا حق دار ہوتا تھا۔

علم ریاضی کا آغاز

قدیم عراق کے لوگوں نے ہزاروں سال قبل گننا اور
نمبر لکھنا یا حسابی مسائل کو حل کرنا سیکھا تھا۔ ۱۸۰۰ قبل مسیح کے لگ
بھگ سومیرین (Sumerians) لوگوں نے ریاضی کے بنیادی
اصول وضع کئے۔ لوگ اس زمانے میں ہاتھ کی دس انگلیوں سے گنتی
کرتے تھے۔ اس لئے گنتی ایک سے دس تک ہوتی تھی۔ موجودہ
زمانے میں اس سسٹم کو Decimal کہا جاتا ہے۔ قدیم عراق میں
اعشاری نظام کے علاوہ ایک اور سسٹم بھی رائج تھا جس کو
Sexagesimal کہتے تھے جس کا بنیادی ہندسہ ۲۰ ہوتا تھا۔
سوماریہ کے باشندے ایک ہندسے کی پوزیشن سے اس کی Value
تیار کرتے تھے مختلف ہندسوں کے لئے Symbols مقرر تھے۔
جیسے ۶۰ کا ہندسہ ▽ سے لکھا جاتا جب کہ دس کا ہندسہ < سے
لکھا جاتا تھا۔ صفر کے ہندسہ کے لئے کوئی Symbol نہ تھا مگر اس کو
بیان کرنے کے لئے وہ جگہ خالی چھوڑ دیتے تھے۔ مثلاً ۵۰۴ کا ہندسہ
یوں لکھا جاتا تھا "۴ ۵"۔

اس دور کی ملنے والی مٹی کی تختیوں Clay Tablets
سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہاں کے باشندے جیومیٹری کے استعمال

سے بھی آگاہ تھے۔ایک اسکوائر کو مختلف شکلوں کی مثلثات میں تقسیم کر کے اس کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ بھی رائج تھا۔وزن کرنے کے لئے بنیادی چیز Talent کہلاتی تھی جو ۶۰ Minas میں تقسیم ہوتا اور ہر mina 60 Shakels میں تقسیم ہوتا تھا۔ایک Mina 18 اونس کے برابر ہوتا تھا۔ اور ایک Talent 67 پونڈ کے وزن کا ہوتا ہے۔

پیائش کے لئے بنیادی چیز Cubit تھی جو ۲۰ انچ لمبا ہوتا تھا۔بابل شہر میں ہمارے ایک میل کا فاصلہ 10 کلومیٹر کے برابر ہوتا تھا۔زمین کی پیائش کے لئے Field استعمال ہوتا تھا جو 0.9 ایکڑ کے قریب ہوتا تھا۔

آسمان اور اجرام فلکی کے مطالعہ کے لئے سمیریا اور بابل کے لوگ ریاضی کا استعمال خوبی جانتے تھے۔ان کے خیال میں سال میں ۳۶۰ دن ہوتے تھے۔کیوں کہ یہ ۶۰ سے تقسیم ہو جاتا تھا۔وقت کی پیائش کے لئے انہوں نے ریاضی کے فارمولے وضع کئے تھے جس سے سورج' چاند اور کروں کی حرکت پیش وقت بتلائی جاسکتی تھی۔بابل کے شہر سے جو ایک قابل ذکر "تختی" دریافت ہوئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ Pythagorean Theorem سے آگاہ تھے۔بابل کے باشندے یہ تھیورم یونانی فلاسفر فیثا غورث سے ایک ہزار سال قبل استعمال کر چکے تھے۔یہ لوگ کسر اعشاریہ (Fraction) کا استعمال بھی جانتے تھے۔

فلک کا مطالعہ

قدیم عراق کے لوگ آسمان کے مطالعہ سے بھی آگاہ تھے وہ یہ جانتے تھے کہ سورج' چاند اور کروں کی حرکت سے وہ وقت ناپ سکتے تھے۔ فصلیں اگانے کے لئے اور اہم مذہبی تہواروں کے لئے وقت کی پیائش ضروری تھی۔اس کے ذریعے یہ لوگ Tigris اور Euphrates کے دریاؤں میں سیلاب کی پیش گوئی کر سکتے تھے۔جس سے فصلیں تباہ ہونے سے بچ جاتی تھیں اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ زمین Flat Disk کی صورت میں ایک جگہ کھڑی ہے جب کہ دیوتا سورج' چاند اور ستارے آسمان پر حرکت کرتے ہیں۔ زمین اور آسمان کے درمیان جگہ کو یہ فضا کہتے تھے۔چاند اور ستاروں کی حرکت کے انہوں نے ریکارڈ تیار کئے ہوئے تھے۔چنانچہ یہ لوگ ان کی حرکت سے ہر سال ہر ماہ پہلے سے جانتے تھے۔انہوں نے سورج گرہن اور چاند گرہن کے ریکارڈ رکھے ہوئے تھے۔ دم دار ستاروں سے بھی یہ آگاہ تھے۔

کیلنڈر کا اجرا

"سمیریا" کے لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ آسمان کے مطالعہ سے وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات سے آگاہ ہو سکتے تھے۔انہوں نے چاند کی مختلف شکلوں سے سے کیلنڈر تیار کیا تھا اور بادشاہ ہر نئے مہینے کا اعلان کرتا تھا۔جب ہلال آسمان پر ظاہر ہوتا تو اس شام کے بعد نیا مہینہ شروع ہوتا تھا۔ہر نیا دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا تھا۔اگر آسمان پر بادلوں کی وجہ سے چاند نظر نہ آتا تو بادشاہ نئے مہینے کا اعلان ملتوی کر دیتا تھا۔ان لوگوں کے کیلنڈر میں ۱۲ مہینے تھے اور ہر مہینہ ساڑھے ۲۹ دن کا تھا۔اس کا سال ۳۵۴ دن کا تھا۔موسموں کی پیش گوئی کرنے کے لئے یہ سورج کی گردش کو استعمال میں لاتے تھے۔لہذا ہر تین سال بعد یہ ایک مہینے کا اضافہ کر دیتے تھے۔جیسا کہ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ لوگ Sexagesimal سسٹم کو استعمال کرتے تھے جس میں ۶۰ کا نمبر استعمال ہوتا تھا۔موجودہ زمانے میں ہمارا ایک گھنٹہ ساٹھ منٹ کا ہے اور ہر منٹ ۶۰ سیکنڈ کا ہے۔دن کو ۳۶۰ حصوں میں بانٹا گیا جن کو ہم اب ڈگری یا دائرے کا ۳۶۰ واں حصہ کہتے ہیں۔

آسمان کا مطالعہ ان کی زندگی کا اہم جزو تھا یہ لوگ جانتے تھے کہ سورج' چاند اور کرے ایک خاص راستہ پر سفر کرتے ہیں۔ آسمان پر "اس خیالی" راستہ کا نام انہوں نے Zodiac منطقہ البروج یا

راس چکر رکھا- یہ راس چکر بارہ حصوں میں تقسیم تھا اور ہر حصہ کا خاص نام تھا-

مغرب میں ان بابلی ناموں کے لاطینی نام استعمال ہوتے ہیں :-

۱-برج حمل Aries ۲-برج ثور Taurus
۳-برج جوزا Gemini ۴-برج سرطان Cancer
۵-برج اسد Leo ۶-برج سنبلہ Virgo
۷-برج میزان Libra ۸-برج عقرب Scorpio
۹-برج قوس Sagittarius ۱۰-برج جدی Capricorn
۱۱-برج آبی Aquarius ۱۲-برج حوت Pisces

جوں جوں سورج سال کے دوران سفر کرتا یہ ہر ماہ آسمان کے اس ایک بیان کردہ حصہ میں ہوتا تھا- اسڑالوجی میں آسمان کی یہ بارہ حصوں میں تقسیم اب بھی استعمال ہوتی ہے اور لوگ مستقبل کی پیش گوئیاں کرتے ہیں-

وقت کی پیائش کے لئے ان لوگوں نے واٹر کلاک Water Clock بھی بنائی تھی جس کو یہ Clepsydsa کہتے تھے- سورج کی حرکات کا ریکارڈ رکھنے کے لئے انہوں نے Sun-Dial بنایا ہوا تھا- انہوں نے چاند کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کے لئے بھی آلات بنائے ہوئے تھے- آسمان پر دو ستاروں کے درمیان فاصلہ ماپنے کے لئے ایک خیالی لائن بنائی گئی تھی- اس عمودی خط کو Merian کہتے تھے-

لندن کے برٹش میوزیم میں محفوظ مٹی کی تختیوں سے ہیئت دانوں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ بابل کے لوگ دُم دار ستاروں کے طلوع ہونے سے بھی واقف تھے- ان سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ۱۶۴ قبل مسیح جو دم دار ستاروں کو نظر آیا تھا فی الحقیقت Halley`s Comet تھا جو ہر ۷۶ سال بعد نمودار ہوتا ہے-

روزمرہ زندگی کا مطالعہ

آسمان کے مطالعہ کے ساتھ ان لوگوں نے روزمرہ زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ بھی لازمی جانا تھا ان لوگوں نے جانوروں، پھولوں، درختوں، معدنیات، پتھروں، مچھلیوں کو مختلف طریقوں میں بانٹ کر ان کی فہرست تیار کی ہوئی تھی- مٹی کی تختیوں پر ان لوگوں نے پھولوں کی اقسام کو اس ٹھیک طریقے سے بیان کیا ہے کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے- بعض پھولوں کے نام انہوں نے جسم کے اعضاء کے نام سے ملتے جلتے رکھے تھے- لہسن، پیاز، پودینہ یہ لوگ استعمال کرتے تھے- پھلوں کے درختوں (انار، کھجور، ناشپاتی، انجیر، آڑو) کا یہ لوگ استعمال کرتے تھے- ان کے سائے میں اپنی سبزیوں کو اگاتے تھے- گھروں میں جو جانور یہ پالتے تھے ان میں کتا، گدھا، گھوڑا، بیل شامل تھے- مچھلی کی سو سے زیادہ اقسام سے یہ واقف تھے- مچھلی ان کی محبوب غذا تھی- معدنیات میں یہ لوگ جن پتھروں سے آگاہ تھے ان کے نام یہ ہیں- سنگ مرمر (Marble) سنگ مردہ (Quartz) سنگ یشب (Japser) وغیرہ وغیرہ-

ٹیکنالوجی کا استعمال

قدیم عراق کا علاقہ ٹیکنالوجی کے اختراع کے لئے ایک زرخیز ترین علاقہ تھا- یہاں کے لوگوں نے ۴۰۰۰ قبل مسیح سے پہلے پہیہ ایجاد کیا تھا- اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مٹی کے برتن اینٹ اور دھاتوں سے برتن اوزار بنائے۔ موسیقی کے آلات، بیل گاڑی انہوں نے ایجاد کی- اُون یا پشم کی انڈسٹری خوب پھل پھول رہی تھی- یہ لوگ اُون کو کاتنا جانتے تھے- انہوں نے کھجور سے الکحل تیار کی اور جو سے انہوں نے بیئر (Beer) تیار کی- انہوں نے سبزی کے تیل سے صابن بنایا- دوائیاں بنانے کے لئے انہوں نے Filter Vessels اور Drip Bottles تیار کیں- انہوں نے خوشبودار تیل اور اگربتیاں بنائیں- چمڑے کو رنگ دینے کی ایک خاص انڈسٹری تھی جانوروں کی کھالوں کو تیل یا چربی میں رکھ کر اس کو نرم کر لینا یہ جانتے تھے- اس نرم چمڑے سے جوتے بناتے تھے یا پانی لانے کے لئے چمڑے کی مشک بناتے تھے- کھال میں ہوا بھر کر یہ دریاؤں میں

تیراکی کرتے تھے۔

فصلیں اگانے کارواج یہاں سے شروع ہوا۔

گندم اور جو اس علاقے میں خاص طور پر اگایا جاتا تھا۔ زمین میں ہل چلانا اور قلبہ رانی انہوں نے شروع کی۔ شجرکاری انہوں نے شروع کی۔ کسان بڑے پتوں والے درخت اُگاتے تھے تا کہ ان کی فصل حددرجہ کی حرارت اور ہوا سے محفوظ رہے۔ زمین میں ہل یہ بیلوں سے چلاتے تھے جو کہ ہندوستان میں بھی کیا جاتا ہے۔ دریاؤں میں اپریل اور جون کے مہینوں میں طغیانی آتی تو پانی کھیتوں میں چلا جاتا۔ اس پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے انہوں نے نہریں کھودیں۔ دریا کے پانی میں نمک زیادہ ہوتا تھا جو فصلوں کے لئے نقصان دہ ہوتا تھا۔ اس لئے وہ ان علاقوں میں جو زیادہ اگاتے تھے بجائے گندم اگانے کے۔

کچی مٹی (Clay) ان لوگوں کے لئے نعمت تھی،

اس سے یہ لوگ تجربہ کا کام لیتے تھے۔ اس مٹی کے برتن بنائے جاتے تھے۔ مٹی سے یہ لوگ اپنے گھر تعمیر کرتے تھے۔ اس بلڈنگ میٹریل میں یہ لوگ لکڑی پتے گھاس پھوس یا تنکے شامل کر کے مٹی کی اینٹیں بناتے جو پختہ ہوتی تھیں۔ مٹی کے برتن بنانا Potter`y ایک خاص پیشہ تھا۔ انہی لوگوں نے کوزہ گر کا پہیہ Potters Wheel ایجاد کیا۔ اینٹیں بنانے کا فن جوں جوں ترقی کرتا گیا لوگوں نے اونچی عمارتیں اور مینار بنانے شروع کئے۔ ان اینٹوں پر بعض دفعہ بادشاہ وقت کا نام یا اس کی مہر لگی ہوتی تھی تا کہ لوگ اس کا نام یاد رکھیں۔ ان لوگوں نے Arches اور گنبد Domes بنانے شروع کئے۔

دھاتوں میں سے تانبا، چاندی، سونا، لوہے کا استعمال یہ جانتے تھے۔ لوہا انہوں نے شہاب ثاقب سے حاصل کرنا شروع کیا۔ ان دھاتوں سے انہوں نے اوزار بنانے شروع کئے جن میں Knives`Drill-bits`Pins` Chisel`Axe-Blade قابل ذکر ہیں۔

قدیم عراق کی تہذیب کا زوال ایران کے بادشاہ سائرس دی گریٹ (Cyrus The Great) کے ۵۳۸ ق۔م میں بابل پر حملہ سے ہوا جس نے اس تہذیب کو صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے معدوم کر دیا۔ ایک مصنف (J.Wallard) کی رائے اس زوال سے متعلق یہ ہے: "ثقافتی اور مذہبی مرکز رہنے کے بعد گھٹنے ٹیک دینے پڑے۔ مشرقی وسطیٰ کے دوسرے شہروں کی طرح یہ بھی ماند پڑ گئی۔

(Bablon - J.Wellard. Page 198 New York 1972)

تشحیذ الاذہان کا خاص نمبر 1999ء

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

تشحیذ الاذہان کا خاص نمبر جولائی کے پہلے ہفتہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں قارئین تشحیذ الاذہان کے لئے معیاری، دلچسپ اور رنگا رنگ تحریرات کے علاوہ خوبصورت اور تاریخی تصاویر بھی شائع کی جائیں گی۔

کیونکہ یہ خاص نمبر جون اور جولائی کا اکٹھا شمارہ ہوگا، اس لئے یہ شمارہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں آپ تک پہنچے گا۔ تشحیذ الاذہان آپ کا اپنا رسالہ ہے اور آپ کی تحریرات سے ہی ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ لکھ کر اس کی خوبصورتی میں اضافہ کریں۔ بہت شکریہ۔ (ادارہ)

ہاں دعا تیری مقبول ہو گی

رحمتِ حق تو خود منتظر ہے' دل میں شرم وندامت تو آئے
سرخرو ہوگا تو روز محشر' دل میں خوفِ قیامت تو آئے

مہرباں ہے وہ رحمٰن آقا' چھوڑتا کب ہے بندے کو تنہا
ہوگا شیطاں بھی اک روز پسپا' جنگ کرنے کی ہمت تو آئے

وہم میں کس لئے مبتلا ہے' ان دعاؤں کا اک فلسفہ ہے
ہاں دعا تیری مقبول ہوگی' دل میں جوشِ عبادت تو آئے

کم نہ ہوں گے خدا کے خزانے' جھولیاں بھر کر لائے جو مانگے
خودبخود آئیں گے مال و دولت' تجھ میں صبر و قناعت تو آئے

خوف ہو کس لئے ابتلا کا' ہے یہ فیضان باری تعالیٰ
مطمئن ہو کے پی لیں گے ہم بھی' کوئی جام شہادت تو آئے

ہے یہ جمہوریت کا زمانہ' اور سیاست کی ہے حکمرانی
یہ بھی ہے ایک طرز حکومت' پر کسی کو سیاست تو آئے

راہ تکتے ہیں کرب و قلق سے' کر رہے ہیں دعائیں بھی حق سے
منتظر ہیں کسی مردِ حق کے' کوئی حسبِ ضرورت تو آئے

کوئی فرمانروا کوئی آمر' کس طرح ہو امامت پہ فائز
اس کو سمجھیں گے منشائے ایزد کوئی حسب ہدایت تو آئے

عہد و پیمان کی کیا ہے حاجت' ہم کو معلوم ہے سب حقیقت
ہم بھی قربان کر دیں گے جانیں' کوئی وقت ضرورت تو آئے

میری نظروں میں بھی اک حسین ہے' جس کا ثانی کہیں بھی نہیں ہے
دل لگائیں ہم بھی اسی سے دل لگانے کی نوبت تو آئے

وہ جو اک سلیم سخنور ہے' ہے نصیبے کا اپنے سکندر
وہ بھی تیار ہے بہر خدمت' اس کو خدمت کی دعوت تو آئے

(کلام: مکرم سلیم شاہجہانپوری صاحب)

صداقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازروئے بائیبل

(مکرم نصیر احمد صاحب انجم استاذ الجامعہ۔ مہتمم صنعت و تجارت خدام الاحمدیہ)

قرآن مجید نے نبی پاک ﷺ کی بابت یہ دعویٰ کیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (الاعراف:۱۵۷)

وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو ان پڑھ نہیں ہے جیسے وہ اپنے پاس موجود توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

قرآن کریم رسول مقبول ﷺ کے متعلق یہ بھی فرماتا ہے۔
وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ......... (البقرہ:۱۰۲)

اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے ایسا رسول آگیا جو (ان کتاب میں مندرج پیشگوئیوں کو) جو ان کے پاس ہیں۔ سچا ثابت کرنے والا ہے یعنی اس کے آنے سے وہ پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں۔

قارئین محترم!!! یہ ایک عظیم الشان دعویٰ ہے جس کی صداقت کے بہت سے ثبوت ہیں۔ اگلے صفحات میں ہم بائیبل کی مختلف پیشگوئیوں کے مصداق کے متعلق بحث کریں گے۔ ہمیں مسیحی حضرات کو بتانا یہ ہے کہ ان کی کتاب مقدس حضرت مسیحؑ کے بعد عرب میں آنے والے عظیم الشان پیغمبر کی خبریں کھلے لفظوں میں دیتی ہے۔ پس انہیں چاہئے کہ اپنی مذہبی کتاب اور سماوی نوشتوں کی باتوں پر کان دھریں۔

مثیل موسیٰ کی پیشگوئی

بائیبل میں مندرجہ پہلی پانچ کتابوں (پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء) کا مجموعہ تورات کہلاتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ تورات کی کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸۔ ۲۰ میں درج ہے کہ:۔

"میں ان کے لئے انہیں کے بھائیوں میں تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے گا جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔"

بعض مسیحی علماء کا یہ خیال ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس دعویٰ کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلائل دیئے جاتے ہیں۔

(الف) انہوں نے خود دعویٰ کیا۔ (ب) وہ اسرائیلی تھے اس لئے بھائیوں میں سے تھے۔ (ج) وہ مثیل موسیٰ تھے جیسے حضرت موسیٰ نے لوگوں کو فرعون سے نجات دلائی ویسے مسیح علیہ السلام نے گناہوں سے نجات دلائی۔

قارئین! آیئے ہم ترتیب سے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جہاں تک مثیل موسیٰ کا دعویٰ کرنے کا تعلق ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف یہ دعویٰ کیا ہے کہ "اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے ہو تو میرا بھی یقین کرتے کیونکہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے۔" (یوحنا ۵:۴۶)

پس حضرت موسیٰ کی توریت میں پائی جانے والی بہت سی پیشگوئیوں میں سے کسی کے مورد حضرت مسیح ضرور ہونگے مگر

آپ نے پوری بائیبل میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ میں اس خاص پیشگوئی کا مورد ہوں اور یہ کہ میں مثیل موسیٰ ہوں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ پیشگوئی میں بھائیوں سے مراد اسرائیلی ہیں حالانکہ کوئی اسرائیلی اس پیشگوئی کا مصداق ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سیاق کلام آیت ۱۶ سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ آئندہ ہم ایسا جلوہ خداوندی نہ دیکھیں اور ایسی آواز نہ سنیں جیسی کوہ سیناء پر سن چکے ہیں۔ ان کے انکار پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے اب میں ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ لہٰذا تمام اسرائیلی قوم کو ایک طرف رکھ کر جب کہا جائے کہ تمہارے بھائیوں میں سے موعود آئے گا تو مراد قومی بھائی ہونگے۔

تیسری دلیل جو مثیل موسیٰ ثابت کرنے کیلئے گناہوں سے نجات دلانے کو پیش کرنے سے متعلق ہے وہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ تو محض دعویٰ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ واقعتاً وہ لوگ نجات پاچکے ہیں کیونکہ یہ معاملہ تو آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر قوم نجات یافتہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لہٰذا مشابہت کیلئے ایسے ظاہری اور قطعی امور ہونے چاہئیں جو لوگوں کو نظر آئیں۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اور عیسائیوں کا یہ قول کہ یہ مثیل موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں بالکل مردود اور قابل شرم ہے۔ کیونکہ مماثلت امور مشہودہ محسوسہ یقینیہ قطعیہ میں ہونی چاہئے نہ ایسے فضول اور وہمی دعویٰ کے ساتھ جو خود جائے بحث اور سخت انکار کی جگہ ہے۔ یہ دعویٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے منجی اور ایسا ہی یسوع بھی عیسائیوں کا منجی تھا کس قدر بودہ اور بے ثبوت خیال ہے کیونکہ یہ محض اپنے دل کے بے اثر تصورات ہیں جن کے ساتھ کوئی بدیہی اور روشن علامت نہیں ہے۔ اور اگر نجات دینے کی کوئی علامت ہوتی تو یہود بکمال شکر گزاری اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قبول کرتے اور اس کے منجی ہونے کا اسی قدر شکر کے ساتھ اقرار کرتے جیسا کہ دریائے نیل کے واقعہ کے بعد انہوں نے شکر گزاری کے گیت گائے تھے۔ لیکن ان کے دلوں نے کچھ بھی محسوس نہ کیا کہ یہ کیسی نجات ہے کہ یہ شخص ہمیں دیتا ہے۔ مگر وہ اسرائیلی یعنی خدا کے بندے جن کو ہمارے سید و مولاؐ نے مکہ والوں کے ظلم سے چھڑایا انہوں نے بدر کے واقعہ کے بعد اسی طرح گیت گائے جیسے کہ بنی اسرائیل نے دریائے مصر کے سر پر گائے تھے اور وہ عربی گیت اب تک کتابوں میں محفوظ چلے آتے ہیں جو بدر کے میدان میں گائے گئے۔

ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اس پیشگوئی کی روح تو یہی مماثلت ہے۔ پھر اگر یہ مماثلت امور مشہودہ محسوسہ میں سے نہ ہو اور مخالف کی نظر میں ایک امر ثابت شدہ اور بدیہیات اور مسلمات کے رنگ میں نہ ہو تو کیونکر ایسا بیہودہ دعویٰ ایک طالب حق کے ہدایت پانے کیلئے رہبر ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ یسوع کا منجی ہونا عیسائیوں کا صرف ایک دعویٰ ہے جس کو وہ دلائل عقلیہ کی رو سے ثابت نہیں کر سکے اور نہ بدیہیات کے رنگ میں دکھلا سکے اور پوچھ کر دیکھ لو کہ وہ لوگ عیسائیت اور دوسری قوموں میں کوئی مابہ الامتیاز دکھلا نہیں سکتے جس سے معلوم ہو کہ صرف یہ قوم نجات یافتہ اور دوسرے سب لوگ نجات سے محروم ہیں۔ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ یہ قوم روحانیت اور فیوض سماوی اور نجات کے روحانی علامات اور برکات سے بالکل بے بہرہ ہے۔ پھر مماثلت کیونکر اور کس صورت سے ثابت ہو۔ مماثلت تو امور بدیہیہ اور محسوسہ اور مشہودہ میں ہونی چاہئے تاکہ لوگ اس کو یقینی طور پر شناخت کر کے اس سے شخص مثیل کو شناخت کریں۔ کیا اگر آج ایک شخص مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ کرے اور مماثلت یہ پیش کرے کہ میں روحانی طور پر قوم کا منجی ہوں اور نجات دینے کی کوئی محسوس اور مشہود علامت دکھلاوے تو کیا عیسائی صاحبان اس کو قبول کر لیں گے کہ درحقیقت یہی مثیل موسیٰ ہے؟ پس سچا فیصلہ اور ایمان کا فیصلہ

اور انصاف کا فیصلہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثیل موسیٰ ہرگز نہیں ہیں اور خارجی واقعات کا نمونہ کوئی انہوں نے ایسا نہیں دکھلایا جس سے مومنوں کی نجات دہی اور کفار کی سزا دہی میں حضرت موسیٰ سے ان کی مشابہت ثابت ہو بلکہ برعکس اس کے ان کے وقت میں مومنوں کو سخت تکالیف پہنچیں جن تکالیف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی باہر نہ رہے۔ پس ہم ایمان کو ضائع کریں گے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک خائن ٹھہریں گے اگر ہم یہ اقرار نہ کریں کہ وہ مثیل جس کا توریت کتاب استثناء میں ذکر ہے وہ وہی نبی موید الٰہی ہے جو مع اپنی جماعت کے تیرہ برس برابر دکھ اٹھا کر اور ہر ایک قسم کی تکلیف دیکھ کر آخر مع اپنی جماعت کے بھاگا اور اس کا تعاقب کیا گیا آخر بدر کی لڑائی میں چند گھنٹوں میں فیصلہ ہو کر ابو جہل اور اس کا لشکر تلوار کی دھار سے ایسے ہی مارے گئے جیسا کہ دریائے نیل کی دھار سے فرعون اور اس کے لشکر کا کام تمام ہو گیا۔ دیکھو کیسی صفائی اور کیسے مشہود اور محسوس طور پر یہ دونوں واقعات مصر اور مکہ اور دریائے نیل اور بدر کے آپس میں مماثلت رکھتے ہیں۔"

(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۹۲-۲۹۱)

تیرے ہی درمیان سے......

ان الفاظ سے بھی عیسائی استدلال کرتے ہیں کہ مثیل موسیٰ خاص بنی اسرائیل میں سے آئے گا۔ حالانکہ اگر یہی مراد ہوتا تو اس کے بعد "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے الفاظ زائد اور بے وجہ تکرار بن جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ استثناء باب ۱۸ میں دو مرتبہ یہ پیشگوئی دہرائی گئی ہے۔ آیت نمبر ۱۵ میں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہیں وہاں "تیرے ہی درمیان" کے الفاظ موجود ہیں لیکن آیت نمبر ۱۸ میں جہاں حضرت موسیٰ اپنے الہام کو خدا کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں وہاں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں صرف یہ لکھا ہے۔ "میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں"۔ اس لئے یہ مانا جائے گا کہ اوپر آیت نمبر ۱۵ میں "تیرے ہی درمیان" کے الفاظ اصل پیشگوئی کا حصہ نہیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ استثناء کے علاوہ پوری بائیبل میں دو جگہ اس پیشگوئی کو دہرایا گیا ہے۔ ایک اعمال ۳ باب ۲۲ آیت میں پھر اعمال ہی کے ۷ باب ۳۷ آیت میں اور دونوں دفعہ "تیرے ہی درمیان" کے الفاظ بیان نہیں ہوئے۔ صرف یہی الفاظ ہیں۔ "خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا" پس اپنی عادت سے مجبور ہو کر کسی منچلے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی میں یہ تحریف کر دی ہے جسے رد کیا جانا چاہئے۔

پھر اس پیشگوئی کا مصداق کون ہے؟

آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق کون ہے۔ یہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

1۔ دعویٰ

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ رسول مثیل موسیٰ ہے فرمایا:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (مزمل آیت نمبر ۱۶)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے یہ اس رسول جیسا ہے جسے ہم نے فرعون کی طرف بھیجا ہے۔

پھر قرآن مجید فرماتا ہے۔

قل اریتهم ان كان من عند الله و كفرتم به و شهد شاهد من بنی اسرائيل على مثله فامن و استكبرتم ان الله لا يهدی القوم الظلمين ٥
(الاحقاف آیت نمبر ۱۱)

(اے محمدؐ) تو کہہ دے مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر میری وحی

خدا کی طرف سے ہوئی اور تم نے اس کا انکار کر دیا باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ (یعنی موسیٰ) گواہی دے چکا ہے کہ اس کی مانند ایک شخص ظاہر ہوگا (تو کیا عجیب بات نہیں ہوگی کہ وہ جو پہلے گزرا تھا) وہ تو ایمان لے آئے اور تم (جن کے درمیان میں وہ آیا ہے) تکبر سے کام لے رہو۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ (ترجمہ از تفسیر صغیر)

2۔ بھائیوں میں سے

آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یوں آپ بنی اسرائیل کے قومی بھائی بنے جیسا کہ پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۲ میں حضرت اسماعیل کو اسرائیلیوں کا بھائی کہا گیا ہے۔ بنی اسرائیل نے انعام نبوت سے انکار کیا تو خدا نے یہ انعام ان کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں بھیج دیا جیسا کہ اس نے پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خبر دی تھی۔

"اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی دیکھو میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے۔"

علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ نے بھی متی باب ۲۱ میں تاکستان کی تمثیل کے ذریعہ بنی اسرائیل سے نبوت کی منتقلی کی خبر دی تھی جسے مع تفصیل آئندہ کسی مضمون میں بیان کیا جائے گا۔

3۔ وجوہ مماثلت

○ پہلی وجہ آپ نے مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا۔

○ دوسری وجہ آنحضرت ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی طرح نئی شریعت لے کر آئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ: آیت ۴)

جب کہ حضرت مسیحؑ نے واشگاف طور پر کہا۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ (متی ۵/۱۷)

آپ ساری عمر خود بھی یہودی شریعت پر کاربند رہے اپنے حواریوں کو بھی شریعت موسوی پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:۔

"فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔" (متی ۲۳/۲)

جو شریعت موسوی پر عمل نہ کرے۔ اس کے حکموں کو نہ مانے۔ اس کے متعلق فرمایا:۔

"پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔"
(متی ۵/۱۹)

تیسری وجہ سیدنا حضرت محمد ﷺ نے مخالفین سے کئی جنگیں کیں، فتوحات پائیں۔ غلبہ اور حکومت اور سلطنت آپ کو اپنے حین حیات میں نصیب ہوئی۔ یہ حالات و واقعات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے بعینہ مشابہ ہیں۔ لیکن حضرت مسیحؑ ساری زندگی مظلوم و مغلوب رہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کے راستبازوں کو درندوں اور خونیوں سے نجات دی اور موسیٰ کی طرح ان کو مکہ سے مدینہ کی طرف کھینچ لایا۔ اور ابوجہل کو جو اس امت کا فرعون تھا۔ بدر کے میدان جنگ میں ہلاک کیا

اور پھر آنحضرت ﷺ نے توریت باب ۱۸ آیت ۱۸ کے وعدہ کے موافق موسیٰ کی طرح ایک نئی شریعت ان لوگوں کو عطا کی۔ جو کئی سو برس سے جاہل اور وحشی چلے آتے تھے اور جیسے بنی اسرائیل چار سو برس تک فرعون کی غلامی میں رہ کر وحشیوں کی طرح ہو گئے تھے۔ یہ لوگ بھی عرب کے جنگلوں میں رہ کر ان سے کم نہ تھے۔ بلکہ وحشیانہ حالت میں بہت بڑھ گئے تھے۔ یہاں تک کہ حلال حرام میں بھی کچھ فرق نہیں کر سکتے تھے۔ پس ان لوگوں کے لئے قرآن شریف بالکل ایک نئی شریعت تھی اور اسی شریعت کے موافق تھی جو کوہ سینا پر بنی اسرائیل کو ملی تھی۔"

○ **چوتھی وجہ** جیسا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کو ہلاک کر کے اپنی قوم کو سلطنت عطا کی۔ ویسے آنحضور ﷺ نے میدان بدر میں ابو جہل اور دیگر مخالفین کو ہلاک کر کے اپنے آپ کو مثیل موسیٰ ثابت کیا۔

پیشگوئی کی دیگر علامات

○ پیشگوئی میں "ایک نبی" کا ذکر ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں لیکن حضرت مسیح تو مسیحی حضرات کے نزدیک ابن اللہ ہیں۔

○ پیشگوئی میں ذکر ہے "میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" اس کے مطابق آپ پر قرآن مجید نازل ہوا جو شروع سے آخر تک محض کلام الٰہی ہے جو آپ کے لبوں سے جاری ہوا۔ دنیا کے پردہ پر قرآن آج وہ واحد کتاب ہے جو براہ راست کلام الٰہی ہے اور جو سارے کا سارا کلام الٰہی ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق قرآن نے یہ بیان کیا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم آیت نمبر۴)

کہ یہ رسول اپنی خواہش کے مطابق نہیں بولتا بلکہ اس کے نطق میں وحی ہی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت مسیح علیہ السلام نے کوئی ایسا صحیفہ پیش نہیں کیا جو کلام الٰہی پر مشتمل ہو۔

○ **ایک علامت یہ تھی** "جو اس کی نہ سنے گا میں اس سے اس کا حساب لوں گا۔"

اس کے عین مطابق حضرت محمد ﷺ کے مخالفین آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوئے۔ مکہ کے بڑے بڑے سورما دشمن ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید وغیرہ سب غزوہ بدر میں ہی ہلاک ہوئے اور ان کا حساب چکا دیا گیا مگر اس کے برعکس حضرت مسیح کے مخالفین ساری عمر آپ کو تنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو سولی پر چڑھا دیا۔

○ **ایک علامت یہ تھی** "جو نبی گستاخ اور جھوٹا بن کر میری طرف کوئی بات منسوب کرے گا وہ نبی ہلاک ہوگا۔" قرآن میں ہے۔ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ..... الخ

(الحاقہ:۴۵)

گویا کسی دعویٰ دار کی پیشگوئیاں جو وہ خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اگر پوری ہوتی ہیں اور وہ ہلاک نہیں ہوتا تو وہ سچا ہوگا۔ اس کے مطابق حضرت محمد ﷺ نے بہت سی پیشگوئیاں خدا کی طرف منسوب کیں۔ مثلاً دجال کے آنے کی پیشگوئی۔ امام مہدی آنے کی پیشگوئی کتب کی کثرت اشاعت کی پیشگوئی۔ مزید تفصیل سورۃ تکویر پڑھنے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ سب پیشگوئیاں پوری ہوئیں اور آپ دشمن کی تمام تدبیروں، قتل کے باقاعدہ منصوبوں، زہر دینے کی کوشش کے باوجود ہلاک نہیں ہوئے۔ آپ نے بارہا میدان جنگ کے ان حصوں میں داد شجاعت دی جہاں تلوار کے دھنی اور شجاع لوگوں کے پتے پانی ہوتے تھے۔ مگر ہر بار آپ ﷺ شاد کام لوٹے اور اس پیشگوئی کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت فرماتے گئے۔ قرآن نے بھی آپ کے متعلق یہ پیشگوئی کی تھی۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:۶۸)

کہ اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔

بائیبل ہمیں بتاتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کی جو پیشگوئی استثناء میں کی ہے اس سے مراد حضرت مسیح نہیں بلکہ مثیل موسیٰ نے حضرت مسیح کی آمد اول کے بعد اور آمد ثانی سے پہلے آنا ہے۔ چنانچہ پطرس کہتا ہے۔

"مگر جن باتوں کی خدا نے سب نبیوں کی زبانی خبر دی تھی کہ اس کا مسیح دکھ اٹھائے گا وہ اس نے اسی طرح پوری کیں۔ پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے۔ جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا خداوند تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کرے گا۔ (اعمال باب ۳ آیت ۱۹ تا ۲۲)

غور فرمایئے! پطرس بیان کرتا ہے کہ آمد اول میں آکر پیشگوئیوں کے مطابق حضرت مسیح نے دکھ اٹھائے اب ان کی آمد ثانی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک حضرت موسیٰ کی مثیل والی پیشگوئی پوری نہ ہو۔

"ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے۔"

لہٰذا مسیحی جو مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں۔ انہیں اس سے پہلے مثیل موسیٰ کو تلاش کرنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں انہیں حضرت محمد ﷺ کی صداقت کا اقرار کرنا چاہئے۔ کیونکہ مندرجہ بالا سطور میں با دلائل یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ ہی اس پیشگوئی کے مصداق ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ دنیا کو چشم حق بین اور گوش ہوش عطا فرمائے۔ آمین

اندھیروں سے روشنی کی طرف سفر کرنے والا سائنسدان

Sir Issac Newton

(مکرم راجہ برہان احمد صاحب طالع)

"(الیگزنڈر) پوپ شاعر نے ایک ایسی بات کہی ہے ایک سائنس دان کے متعلق جسکے متعلق میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جب سے دنیا بنی ہے کسی سائنسدان کو اتنا عظیم خراج تحسین پیش نہیں کیا گیا.........

.........اس کو غالباً کہا گیا کہ نیوٹن کی شان کے مطابق کوئی ایسا شعر کہو جو اس کے کتبے پر لکھا جائے اور اس چیلنج کو اس نے کس شان سے پورا کیا عقل دنگ رہ جاتی ہے اس نے لکھا اور غالباً یہی تحریر اس کے کتبے پر اب بھی درج ہو گی.........

.........اس نے اس کی خاطر لکھا تھا وہ کیا ہے.........

.........قانون قدرت اور قانونِ قدرت کے راز رات کے اندھیرے میں لپٹے ہوئے تھے یعنی لاعلمی کے اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے.........خدا نے فرمایا Let Newton Be نیوٹن ہو جا اور روشنی پھیل گئی۔ اتنا عظیم مقولہ ہے کہ آج تک کسی سائنسدان کو دنیا کے پردے پر ایسا عظیم خراج تحسین پیش نہیں کیا گیا ہو گا۔ اور واقعۃً سچا ہے کیونکہ دنیا کے بڑے بڑے عظیم الشان سائنسدان روشنی سے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یعنی خدا سے دور چلے جاتے ہیں۔ نیوٹن وہ سائنسدان ہے جس نے اندھیروں سے خود بھی روشنی کی طرف سفر کیا اور روشنی کو پا لیا۔ اس لئے اگر دنیا کے تمام سائنسدانوں میں کسی کو حقیقتاً ولی اللہ کہا جا سکتا ہے تو یہ نیوٹن تھا۔" (خطبہ فرمودہ ۱۹ فروری ۱۹۹۹ء)

حلیہ

چھوٹا قد، پیشانی کشادہ، چہرہ نمایاں، ناک لمبی، آنکھیں بھوری اور چمکدار، سر کے بال کندھوں پر گرے ہوئے اپنے وقت کے فیشن کے عین مطابق۔ عمر تیس 30 سال سے کم مگر بال پھر بھی سفید ہو چکے ہیں، طور طریقوں میں باحیا، کم گو اور درویش منش، مسکراہٹ ہر دلعزیز اور جب بھی اس کی دلچسپی کی کوئی بحث شروع ہوتی تو اس کا چہرہ کھل اٹھتا۔

یہ تھا 1670ء اور 1680ء میں موجود اس وقت کے چند عظیم سائنسدانوں میں اسے ایک عظیم نام سر آئزک نیوٹن (Sir Isaac Newton) جسے "کرسمس کا تحفہ" بھی کہا جاتا ہے۔

پیدائش

نیوٹن کا یومِ پیدائش اس وقت کے Julian Calender کے مطابق 25 دسمبر 1642ء تھا جو موجودہ Gregarian کے مطابق 4 جنوری 1643ء ہے۔ یہ وہی سال تھا جس سال گلیلیو گیلیلی (Galileo Galilei) کا انتقال ہوا تھا۔ نیوٹن کا جائے پیدائش Woolsthorpe جو Lincolnshire میں ہے۔ اس کی پیدائش سے قبل اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی پیدائش غیر نادج یعنی Premature تھی۔ جس کی وجہ سے بظاہر اس کا لمبے عرصے تک زندہ رہنا بھی مشکل نظر آتا تھا۔ مگر اس وقت کی دنیا یہ نہیں جانتی تھی کہ جہاں ایک طرف گیلیلیو اس دنیا سے گیا

ہے وہاں نیوٹن کی شکل میں خدا تعالیٰ نے اس کا نعم البدل بھی بھیج دیا ہے۔

بچپن

نیوٹن کو صرف دو سال تک اپنی ماں کی رفاقت اپنے بچپن میں میسر آئی کیونکہ جب اس کی عمر دو سال تھی تو اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی اور اسے Woolsthorp میں اس کی بوڑھی دادی کے ساتھ رہنے کے لئے بھیج دیا۔ یہاں کے ماحول نے نیوٹن میں غور و فکر اور سوچ بچار کی صلاحیتیں بڑھا دیں۔ جب نیوٹن کی عمر بارہ سال ہوئی تو اسے Grantham Kings سکول میں داخل کروا دیا گیا جہاں وہ اپنی ماں کی سہیلی کے گھر رہا۔ یہاں اس نے اپنے بچپن کے وہ چار خوشگوار سال گزارے جن میں وہ پن چکیاں ' باربردار گاڑیاں' آبی گاڑیاں اور پتنگوں کے نمونے بنا کے خوش ہوتا رہا۔ یہاں اسے بہت سی سائنسی کتب پڑھنے کا بھی موقع ملا جس سے اس کی زندگی میں ان علوم کے متعلق ایک پیاس سی لگ گئی۔

اعلیٰ تعلیم

جب نیوٹن سولہ سال کا ہوا تو اس کی ماں بد قسمتی سے دوبارہ بیوہ ہو گئی۔ اس کی ماں نے اسے واپس بلا لیا مگر کسی بھی طرح نیوٹن کا ذہن اپنی زمینوں کی طرف مائل نہ ہو سکا۔ بہر حال دوبارہ تعلیمی میدان میں قدم رکھتے ہوئے اس نے کیمبرج کے Trinity College میں داخلہ لے لیا۔ 1665ء میں نیوٹن نے گریجوایشن کی۔ اس تعلیمی دور کے دوران اسے آئزک بیرونامی پروفیسر کی سرپرستی حاصل رہی جنہوں نے نہ صرف اس کی علمی رہنمائی کی بلکہ 1664ء میں نیوٹن کو علم ریاضی میں وظیفہ دیئے جانے کی سفارش بھی کی۔

صرف 26 سال کی عمر میں نیوٹن کیمبرج یونیورسٹی کے اسی کالج میں اپنے محسن استاد آئزک بیرو کی جگہ پروفیسر مقرر ہوا۔ 1668ء میں اس نے ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔

> "حضرت مسیح موعودؑ نے جو ہمیں علم کلام عطا کیا یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فیض گزشتہ میں سفر کر کے نیوٹن کو پہنچا ہے۔"
> (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع)

نیوٹن کی تین عظیم سائنسی دریافتیں

پہلی دریافت مسئلہ ثنائی اور احصائے تفرقی کے عناصر تھے جسے اس نے Floxional کا نام دیا۔ اس کی اس دریافت کے بارہ میں بحث یہ اٹھی کہ احصائے تفرقی کی ابتداء کرنے والا نیوٹن تھا یا جرمن ریاضی دان Leibniz۔ ان دونوں نے آزادانہ اور تقریباً مساوی طور پر یہ قابل ستائش دریافت کی تھی۔

دوسری عظیم دریافت کائنات میں مادے کے وجود سے متعلق تھی۔ نیوٹن خود بیان کرتا ہے۔ "میں نے چاند کے مدار کے پھیلاؤ کی نسبت سے کشش ثقل کے متعلق سوچنا شروع کیا" اور بالآخر اس نے کشش ثقل کا پتہ لگا لیا۔ اور شاید نیوٹن کی سب سے زیادہ شہرت اسی ایجاد کے باعث ہوئی۔

تیسری عظیم دریافت عدسوں اور روشنی کے انعطاف کے سلسلے میں تھی۔ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ روشنی انفرادی شعاعوں پر مشتمل ہوتی ہے جو "مختلف طریقوں سے انعطاف پذیر ہے" اور یہ رنگین شعاعیں "روشنی کی استعداد نہیں بلکہ بنیادی اور منظری خصوصیات ہیں۔" دراصل یہ ایک نئے سائنسی علم طیف بینی (Optic Vision) کی ابتداء تھی۔

Naturalis Principia Mathematics Philosophia

نیوٹن تنقید سے بہت ڈرتا تھا اسی بناء پر وہ اپنی تحقیقات کو منظر عام پر لانے سے سخت کتراتا تھا۔ 1684ء میں ایک نوجوان

ماہر فلکیات Edmund Halley نے اس سے ملاقات کی اور مختلف امور پر مدد چاہی تو وہ نیوٹن کی تحقیقات کشش ثقل کے بارے میں جان کر حیران رہ گیا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ ان کو شائع کرے۔ بالآخر وہ کامیاب ہوا اور سائنسی دنیا کے اہم ترین مسودات Naturalis Principia Mathematica Philosophia یعنی "فطری فلسفے کے حسابی اصول" کے عنوان سے کتابی شکل میں لاطینی زبان میں دنیا کے سامنے آئے جنکا اب تک کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کی تین جلدیں تھیں۔ پہلی جلد تین قوانین حرکت پر مشتمل تھی۔ دوسری جلد اوسط مزاحمہ مثلاً گیسیں اور مائعات وغیرہ میں اجرام کی حرکت سے متعلق تھی اور تیسری جلد فطرت اور کائنات میں تجاذب کی قوت کے بارے میں تھی۔

اعزازت

1689ء میں نیوٹن کو کیمبرج یونیورسٹی کے لئے پارلیمنٹ رکن منتخب کیا گیا۔ اس سے پہلے اس کو چھوٹی عمر میں باقاعدہ پروفیسر کے عہدہ پر فائز کیا جا چکا تھا مگر یہ بھی ابتداء تھی چنانچہ 1701ء میں اسے انگلینڈ کی ٹکسال کا مہتمم نامزد کر دیا گیا۔ اب اس نے کیمبرج کی نشست سے استعفیٰ دے دیا۔ مزید آگے بڑھتے ہوئے 1703ء میں وہ لندن کی رائل سوسائٹی کا صدر بن گیا۔ یہاں اس نے اپنی باقی زندگی کے لئے دفتر بنا لیا اور مشکلات حل کرنے کے لئے اپنا اکثر وقت صرف کرتا رہا۔ 1705ء میں آئزک نیوٹن کی ان تمام کاوشوں کو سراہتے ہوئے ملکہ برطانیہ نے اُسے "سر" کا خطاب دیا۔ وہ اپنے دور کا واحد سائنسدان تھا جسے اسقدر عزت افزائی حاصل ہوئی۔

وفات

سر آئزک نیوٹن جنہوں نے اپنی زندگی سائنس کے لئے وقف کر دی تھی اور اسی بنا پر شادی بھی نہ کی 85 سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور اپنے پیچھے سائنس کے لئے ایسا سرمایہ چھوڑ گئے جس کی بدولت ایک لمبے عرصے تک آپ کا نام زندہ رہے گا۔

20 مارچ 1727ء کو جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ لندن کی رائل سوسائٹی کے صدر کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کو ویسٹ منسٹر ایبے میں دفن کیا گیا۔

> "یہ آئزک نیوٹن ہے جس کے متعلق میں نے عرض کیا کہ جب سے دنیا میں علمی انقلابات آئے ہیں ایسا انقلاب کسی سائنسدان کے ذریعے نہیں آیا جس میں دنیاوی علوم کی روشنی بھی پھیل گئی ہو اور روحانی علوم کی روشنی بھی پھیل گئی ہو ایک نیوٹن تھا۔"
> (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع)

واحدانیت پسند

نیوٹن جہاں سائنس کے علوم کی خوب واقفیت رکھتا تھا وہاں اس کے دل و دماغ مذہب کی طرف بھی رغبت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کی تحریریں 'مقدس ٹرینٹی' میں مسیحی عقائد کے خلاف استفسارات پائے جاتے ہیں جو اس کے ذہن کی اس کی عکاسی کرتے ہیں۔ بعد ازاں اس کے قریبی لکھنے والوں نے بھی اس کے نظریات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ وحدانیت پسند تھا۔ اس بات کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنی کتاب Revelation Rationality Knowledge and Truth میں بھی صفحہ 40 تا 42 میں کیا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔

نیوٹن کو خراج تحسین

نیوٹن کا سائنس میں کیا مقام تھا؟ اس کی صلاحیتوں کا کیا راز تھا اس کا اصل اندازہ تو کسی کو بھی نہیں البتہ اس کے کام کی اہمیت اور عظمت کی بدولت بعض لوگ اسے دنیا کا عظیم ترین سائنسدان کہتے ہیں۔ چنانچہ نیوٹن کو خراج تحسین مشہور فرانسیسی مصنف والٹیر یوں پیش کرتا ہے کہ :-

"اگر دنیا کے تمام ذہین افراد کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو سرداری کا حق دار نیوٹن ہے۔"

پھر ایک اور جگہ نیوٹن کا مقام یوں بیان کرتا ہے :۔

"انگلستان نے ایک ریاضی دان کی ایسی عزت کی جیسا کہ دوسرے ممالک اپنے بادشاہوں کی کرتے ہیں۔"

اسی طرح مشہور شاعر الیگزینڈر پوپ نے سر آئزک نیوٹن کے بارے میں کہا ہے :۔

"فطرت اور قوانین فطرت رات کی تاریکی میں تھے اور خدا نے کہا کہ نیوٹن ہو جا چنانچہ سب کچھ روشن ہو گیا۔"

مراجع و مصادر

1- خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 19 فروری 1999ء۔

2- Volume 16 Encyclopedia Britannica - Printed in Great Britain Ed. 1951

3- سائنس میگزین فروری 1994ء نمبر 105

4- سائنس میگزین فروری دسمبر 1993ء صفحہ 103

5- "Newton, Sir Isaac" Microsoft (R) Encarta (R) 98 Encyclopedia. (C) 1993-1997 Microsoft Corporation.

ممبران اشاعت کمیٹی و کارکنان اشاعت محترم صدر صاحب مجلس کے ہمراہ تصویر ٹائٹل صفحہ نمبر 4 پر

(کھڑے دائیں سے بائیں) مکرم سید مبشر احمد ایاز (مدیر خالد)، مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر مہتمم اشاعت، مکرم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس، مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف نائب صدر و صدر اشاعت کمیٹی، مکرم مبارک احمد خالد صاحب مینجر و پبلشر رسالہ خالد و تشحیذ الاذہان۔
(پیچھے دوسری رو۔ دائیں سے بائیں) مکرم نصیر احمد انجم صاحب، مکرم فخر الحق صاحب شمس مدیر تشحیذ الاذہان، مکرم سلیم الدین صاحب۔
(تیسری رو۔ کارکنان اشاعت۔ دائیں سے بائیں) مکرم عبد القیوم صاحب، مکرم محمد انور صاحب، مکرم قمر احمد صاحب۔

UNIVERSAL APPAREL MACHINERY

۹۸ - ۹۷ء
حُسنِ کارکردگی
کے اعتبار سے
اوّل ضلع کراچی

دوم ضلع لاہور

سوم ضلع عمرکوٹ

ی اضلاع
امیر صاحب مقامی
سندِ امتیاز
ن کرتے ہوئے ۔

Monthly Khalid Rabwah
Digitized By Khilafat Library Rabwah
Regd. No. CPL-139 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz June 1999

مقابلہ بین العلاقہ

۹۸-۹۷ء
حُسنِ کارکردگی کے اعتبار سے
اوّل ـــــ علاقہ کراچی
محترم امیر صاحب مقامی سے
سندِ امتیاز حاصل کرتے ہوئے۔

دوم ـــــ علاقہ سرگودھا
قائد صاحب علاقہ
سندِ امتیاز
حاصل کرتے ہوئے

۹۸-۹۷ء
ممبران اشاعت کمیٹی
و کارکنان شعبہ اشاعت
صدر صاحب مجلس کے ہمراہ